

ابن الحسن محمدی

منسوب آثار کی حقیقت

رسول اللہ ﷺ کے آثارِ مبارکہ سے تبرک صرف آپ ﷺ کے قریب زمانے والے لوگوں، یعنی صحابہ کرام، تابعین عظام اور تبع تابعین کے حصے میں آیا۔ چودہ سو سال گزر جانے کے بعد ان آثار سے تبرک کا حصول ممکن نہیں، کیونکہ یہ سارے آثار مفقود ہو چکے ہیں۔ دنیا میں ان کا کوئی وجود نہیں۔ بعض الناس نے آپ ﷺ سے منسوب کر کے من گھڑت آثار وضع کیے ہوئے ہیں۔ ان کے پاس اس کی کوئی سند نہیں، بلکہ محض دروغ گوئی سے کام لیا جاتا ہے۔

جس طرح آپ ﷺ سے کوئی قول، فعل یا سکوت منسوب کرنا بہت احتیاط کا کام ہے کہ جھوٹ منسوب کرنے سے آپ ﷺ کی یہ حدیث صادق آتی ہے:

«مَنْ كَذَبَ عَلَيَّ؛ فَلْيَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ».

”جو شخص مجھ پر جھوٹ بولے، وہ اپنا ٹھکانہ جہنم سمجھے۔“

(صحیح البخاری: 107، صحیح مسلم: 3)

اسی طرح کسی ایسے اثر، مثلاً نعلین، بال، جبہ یا پگڑی کو آپ ﷺ کی طرف منسوب کرنا، جو درحقیقت آپ ﷺ کا نہ ہو، تو ایسا شخص بھی بلاشبہ نبی اکرم ﷺ کی مندرجہ بالا وعید کا مصداق ہوگا۔ لہذا ان لوگوں کو اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈرنا چاہیے، جو خود ساختہ تبرکاتِ نبویہ لوگوں میں متعارف کراتے ہیں یا ان کی تشہیر کا سبب بنتے ہیں۔

اگر کوئی شخص چودہ سو سال گزر جانے کے بعد نبی کریم ﷺ کی طرف منسوب تبرکات کا دعویٰ کرتا ہے، تو اسے چاہیے کہ وہ اپنے دعویٰ پر صحیح سند پیش کرے، محض زبانی کلامی دعویٰ کا

کوئی اعتبار نہیں ہو سکتا۔

اگر کوئی کہے کہ یہ نعلین شریفین نبی کریم ﷺ کے ہیں یا یہ مبارک بال آپ ﷺ کے ہیں، تو کیا اتنی سی بات پر ان نعلین اور بالوں کی تعظیم و تکریم کرنا شروع کر دیں گے؟ ان سے تبرک حاصل کرنے لگیں گے، یا اس انتساب پر صحیح سند کا بھی مطالبہ کریں گے؟ اگر وہ صحیح ثبوت فراہم نہ کر سکے تو ان چیزوں کی نسبت نبی کریم ﷺ کی طرف کرنا درحقیقت آپ ﷺ کی ذات گرامی پر جھوٹ باندھنا ہے، لہذا اس معاملہ کی حساسیت کو سمجھنا ہوگا۔

یہ بات بجا ہے کہ نبی کریم ﷺ سے منسوب کوئی چیز بادشوق ذرائع سے ثابت ہو جائے، تو اس سے تبرک کا انکار کرنا سراسر گمراہی اور انتہا درجہ کی بدبختی ہے، لیکن المیہ یہ ہے کہ بعض لوگ نبی کریم ﷺ کے معاملہ کو انتہائی حقیر سمجھتے ہوئے سینہ زوری سے کام لیتے ہیں۔ اگر کوئی ان سے دلیل و ثبوت کا طالب ہو تو اس پر گستاخ کا فتویٰ جڑ دیتے ہیں۔

آثار نبویہ مفقود ہو چکے ہیں :

یہ ناقابل تردید حقیقت ہے کہ آثار نبویہ مفقود ہو گئے ہیں، اب دُنیا میں ان کا وجود باقی نہیں رہا، جیسا کہ:

منبر رسول ﷺ 654 ہجری میں جل گیا تھا۔

امام یحییٰ بن معین رحمہ اللہ کا جنازہ نبی کریم ﷺ کی چارپائی پر اٹھایا گیا تھا۔

(تاریخ یحییٰ بن معین بروایۃ الدوری: 67/3)

بعد میں اس مبارک چارپائی کا کیا ہوا؟ کوئی علم نہیں۔

اسی طرح سیدنا عبداللہ بن انیس رحمہ اللہ کے پاس نبی کریم ﷺ کی چھڑی مبارک تھی، جسے وہ ہر وقت اپنی تلوار کے ساتھ باندھ کر رکھا کرتے تھے، ان کی وصیت تھی کہ اس چھڑی کو ان کے کفن کے ساتھ رکھ دیا جائے، چنانچہ اسے ان کے ساتھ ہی دفن کر دیا گیا۔

(مسند الإمام أحمد: 486/3، وسندہ حسن)

امام ابن خزمیہ (982) اور امام ابن حبان رحمہ اللہ (7160) نے اس حدیث کو، جبکہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ (فتح الباری: 2/437) نے اس کی سند کو ”صحیح“ کہا ہے۔

سیدنا سہیل بن سعد رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں کہ ایک صحابی نے نبی کریم ﷺ سے آپ کی چادر مبارک مانگی اور وہ چادر ہی ان کا کفن بنی۔ (صحیح البخاری: 1277)

نبی کریم ﷺ کی انگوٹھی مبارک جس پر ”محمد رسول اللہ“ کندہ تھا، آپ ﷺ کے بعد سیدنا ابو بکر صدیق رحمہ اللہ کے پاس پہنچی۔ ان کے بعد سیدنا عمر رحمہ اللہ اور ان کے بعد سیدنا عثمان رحمہ اللہ کی انگلی کی زینت بنی۔ بالآخر سیدنا عثمان رحمہ اللہ سے یہ انگوٹھی کنویں میں گر گئی، بسیار کوشش کے باوجود نہ مل سکی۔ (صحیح البخاری: 5866-5879)

بیعت رضوان والے درخت کا معاملہ :

سیدنا عبد اللہ بن عمر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

رَجَعْنَا مِنَ الْعَامِ الْمُقْبِلِ، فَمَا اجْتَمَعَ مِنَّا اثْنَانِ عَلَى الشَّجَرَةِ الَّتِي بَايَعْنَا تَحْتَهَا، كَانَتْ رَحْمَةً مِنَ اللَّهِ.

”ہم (مقام حدیبیہ پر) صلح حدیبیہ کے دوسرے سال آئے، تو ہم میں سے دو آدمی بھی اس درخت کی نشاندہی پر متفق نہ ہو سکے، جس کے نیچے ہم نے رسول اللہ ﷺ سے بیعت کی تھی۔ یہ اللہ تعالیٰ کی رحمت ہے۔“ (صحیح البخاری: 2958)

شارح صحیح بخاری، حافظ ابن حجر رحمہ اللہ اس حدیث کے تحت لکھتے ہیں:

أَنَّ لَا يَحْصُلُ بِهَا افْتِتَانٌ لِّمَا وَقَعَ تَحْتَهَا مِنَ الْخَيْرِ، فَلَوْ بَقِيَتْ لِمَا أَمِنَ تَعْظِيمُ بَعْضِ الْجُهَّالِ لَهَا، حَتَّى رُبَّمَا أَفْضَى بِهِمْ إِلَى اعْتِقَادِ أَنَّ لَهَا قُوَّةَ نَفْعٍ أَوْ ضَرٍّ، كَمَا نَرَاهُ الْآنَ مُشَاهِدًا فِيمَا هُوَ دُونُهَا، وَإِلَى

ذَلِكَ أَشَارَ ابْنُ عُمَرَ بِقَوْلِهِ: كَانَتْ رَحْمَةً مِّنَ اللَّهِ، أَيْ كَانَ خَفَاؤُهَا عَلَيْهِمْ بَعْدَ ذَلِكَ رَحْمَةً مِّنَ اللَّهِ تَعَالَى .

”(اسے بیان کرنے کی حکمت یہ ہے کہ) خیر کا جو معاملہ اس درخت کے نیچے رونما ہوا تھا، اس کی وجہ سے لوگ فتنے میں نہ پڑیں۔ اگر وہ باقی رہتا، تو بعض جاہل لوگوں کی طرف سے اس کی تعظیم کرنے کا اندیشہ رد نہیں کیا جاسکتا تھا۔ یہاں تک کہ لوگ یہ عقیدہ گھڑ لیتے کہ درخت نفع و نقصان کا مالک ہے، جیسا کہ ہم اپنے مشاہدہ میں دیکھ رہے ہیں کہ اس سے کم تر چیزوں سے یہ معاملہ کیا جا رہا ہے۔ سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے اپنی بات میں اسی کی طرف اشارہ کیا تھا کہ اس سال کے بعد اس درخت کا مخفی ہو جانا اللہ تعالیٰ کی رحمت ہے۔“

(فتح الباری شرح صحیح البخاری: 118/6)

✽ مشہور تابعی سعید بن مسیب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

كَانَ أَبِي مِمَّنْ بَايَعَ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عِنْدَ الشَّجَرَةِ، قَالَ: فَأَنْطَلَقْنَا فِي قَابِلٍ حَاجِّينَ، فَخَفِيَ عَلَيْنَا مَكَانُهَا، فَإِنْ كَانَتْ تَبَيَّنَتْ لَكُمْ؛ فَأَنْتُمْ أَعْلَمُ.

”میرے والد گرامی ان لوگوں میں شامل تھے، جنہوں نے درخت کے نیچے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک ہاتھ پر بیعت کی تھی۔ وہ فرماتے ہیں کہ دوسرے سال جب ہم حج کرنے کے لیے گئے، تو ہمیں درخت والی جگہ نہ ملی۔ اگر وہ تمہارے

سامنے ظاہر ہو جائے تو تم زیادہ سمجھ دار ہو۔“ (صحیح مسلم: 1859)

✽ شارح صحیح مسلم، حافظ نووی رحمۃ اللہ علیہ اس حدیث کی تشریح میں لکھتے ہیں:

قَالَ الْعُلَمَاءُ : سَبَبُ خَفَائِهَا أَلَّا يُفْتَتَنَ النَّاسُ بِهَا لِمَا جَرَى تَحْتَهَا
مِنَ الْخَيْرِ وَنُزُولِ الرِّضْوَانِ وَالسَّكِينَةِ وَغَيْرِ ذَلِكَ ، فَلَوْ بَقِيَتْ ظَاهِرَةً
مَعْلُومَةً لَخِيفَ تَعْظِيمُ الْأَعْرَابِ وَالْجُهَّالِ إِيَّاهَا وَعِبَادَتُهُمْ لَهَا ،
فَكَانَ خَفَاؤُهَا رَحْمَةً مِّنَ اللَّهِ تَعَالَى .

”علماء کرام نے اس کے مفقود ہونے کا سبب یہ بیان کیا ہے کہ اس درخت کے
نیچے جو خیر، خوشنودی اور سکینت وغیرہ ملی تھی، اس کی وجہ سے لوگ فتنہ میں مبتلا نہ
ہو جائیں۔ اگر وہ ظاہر اور معلوم رہتا تو دیہاتی اور جاہل لوگ اس کی تعظیم اور
عبادت کرنے لگتے، لہذا اس کا مخفی رہنا اللہ تعالیٰ کی رحمت ہے۔“

(شرح صحیح مسلم : 5/13)

جب زمین کا ایک ظاہری ٹکڑا صحابہ کرام پر مخفی ہو گیا، تو ہمارے زمانہ میں قطعیت اور
یقین کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کی طرف تبرکات کی نسبت کا دعویٰ ممکن نہیں۔ یہ نسل در نسل ثقہ
اور معتبر راویوں کے واسطے سے ہم تک نہیں پہنچے، نہ ان کے متعلق دعویٰ تو اثر ثابت ہے۔ محض
جھوٹے اور بد عقیدہ لوگوں کی باتوں کا کیا اعتبار کیا جاسکتا ہے؟ ایسے لوگوں کے بے بنیاد
دعووں کا اللہ رب العزت نے ہمیں مکلف نہیں ٹھہرایا، جو دروغ گوئی میں بے باک ہیں۔

موجودہ آثار کے بارے میں معروف حنفی عالم کی رائے :

برصغیر پاک و ہند کے مشہور حنفی عالم علامہ عبدالحی لکھنوی کی آثارِ انبیا کے بارے میں
نصیحت آموز تحریر ملاحظہ ہو:

”پس ان تمام احادیث و روایات سے اہل ایمان کی نظر میں بہ خوبی ثابت ہے کہ
جملہ آثار و مشاہد نبوی سے برکت حاصل کرنا اور ان کی عظمت کرنا اللہ کی نعمتوں
میں سے عمدہ نعمت ہے اور اس قسم کی برکت اور تعظیم کا ثبوت خود حضور روحی فدہ

اور حضرات صحابہ کرام علیہم السلام کے افعال سے پایا جاتا ہے، لیکن مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ اس بات پر غور کریں کہ جس طرح ان احادیث سے آثار نبوی کی برکت اور تعظیم کا ثبوت ہوتا ہے، اسی طرح تعظیم اور برکت حاصل کرنے کا طریقہ بھی معلوم ہوتا ہے، پس جس طرح وہ شخص جو منکر برکت آثار نبویہ ہو، بد دین اور گناہ گار ہے، اسی طرح وہ شخص بھی مبتدع اور مخالف سنت سمجھا جائے گا جو طریق مرویہ حدیث کے خلاف تعظیم کا کوئی خاص طریقہ اپنی طرف سے ایجاد کرے، کیونکہ مخالفت سنت میں دونوں برابر ہیں اور یہ اس صورت میں ہے کہ جبکہ اس طریقہ مخترمہ میں کوئی امر خاص صریح منہیات شرعیہ اور محرمات یقینیہ سے شامل نہ ہو اور اگر اس طریقہ مخترمہ میں کوئی امر محرمات شرعیہ سے بھی شامل کیا جائے تو ایسی حالت میں دو نقصان ہوں گے، ایک تو طریق خاص کا احداث اور دوسرے محرمات شرعیہ کا ارتکاب اور ان دونوں باتوں کا حکم یہ ہے کہ ان کا مرتکب غیر مستحل فاسق اور مستحل کافر ہے۔

دوسری اس بات پر بھی غور کرنا چاہئے کہ جو برکت اور تعظیم حضور سرور انبیا علیہ التحیۃ والثناء کے آثار کے لیے ثابت ہے، وہ حضور ہی کے آثار کے ساتھ مخصوص ہے، دوسرے کے آثار کے ساتھ وہ معاملہ کرنا جو آپ کے آثار کے ساتھ مخصوص ہے، حرام ہے۔ پس ضرور ہوا جس کسی خاص جبہ اور خاص لباس اور خاص بال کی نسبت یہ دعویٰ کیا جائے کہ حضور روحی فداہ کے آثار ہیں تو اول اس بات کا یقین حاصل کیا جائے کہ فی الواقع یہ آثار آپ کے ہیں یا دوسرے شخص کے ہیں، جن کو آپ کی جانب کسی طمع سے نسبت کر دی ہے تاکہ اس یقین سے غیر کے آثار کے ساتھ آنحضرت کے آثار کا ایسا برتاؤ لازم نہ آئے اور اس قسم کا یقین کا حصول ایسے امور کی نسبت بغیر طریقے کے متعذر ہے، جس کو محدثین رحمہم اللہ نے روایت حدیث میں اختیار کیا ہے، کیونکہ اثبات آثار نبوی بھی حدیث ہے، جو رسول سے

مروی ہو اور جو حدیثِ رسول سے مروی ہو، اس میں یہی طریقہ مسلوک ہے اور یہ بات ظاہر ہے کہ جب اُن آثار کا ثبوت ایسے طریقِ روایت پر موقوف ہو تو اس کی صحت اور عدم صحت بھی صحت اسناد اور عدم صحت اسناد پر موقوف ہوگی اور جب اس کے لیے سند ضعیف بھی میسر نہ ہو تو صرف جاہلوں کے محض نامے اس کو ثابت نہیں کر سکتے، پس خلاصہ کلام کا یہ ہوگا کہ بلاشبہ تعظیم آثار نبوی علاماتِ ایمان میں سے ہے، جس کا ثبوت احادیثِ صحیحہ سے ہوتا ہے، لیکن وہ تعظیم اور تبرک انہیں طرق میں منحصر ہے جو احادیث سے ثابت ہیں اور یہ تعظیم اس بات کی فرع ہے کہ ان آثار و تبرکات کا انتساب حضور سرور کائنات علیہ السلام والصلوة کی ذات اقدس کی طرف صحیح ہو اور صحت انتساب صحت روایت پر موقوف ہے، پس جو آثار بصحت روایت ثابت ہیں، بلاشبہ ان کی تعظیم حضراتِ صحابہ رضی اللہ عنہم کے طریقہ کے موافق کرنا چاہئے اور ان سے برکت حاصل کرنے میں کوئی شبہ نہیں اور جو بصحت روایت ثابت نہ ہوں، اُن کے ساتھ بے تحقیق کیے ہوئے وہ معاملہ کرنا جو آپ کے آثار ثابتہ سے کرنا چاہئے، ایسا ہے جیسے بے سند کلام کو حدیث کہنا اور اُس پر عمل کرنا جن کی نسبت سخت وعید وارد ہے۔“ (مجموع الفتاویٰ: 3/175-176)

ایک بریلوی ”مفتی“ کی رائے :

بریلوی ”مفتی“ محمد شریف الحق امجدی (مبارک پور، اعظم گڑھ، یو، پی) نے لکھا ہے: ”محض شاہی مسجد میں رکھا ہونا کوئی ثبوت نہیں کہ فلاں چیز حضور اقدس رضی اللہ عنہ کی استعمال کی ہوئی ہے، اس کے لیے ثبوت کی حاجت ہے، اس لیے دلیل آپ کے ذمے ہے۔“ (فتاویٰ شارح بخاری: 1/479)

موجودہ آثار اور اہل علم :

شیخ الاسلام، امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ (661-728ھ) فرماتے ہیں:

هَذَا إِذَا كَانَ النَّعْلُ صَحِيحًا، فَكَيْفَ بِمَا لَا يُعْلَمُ صِحَّتُهُ، أَوْ بِمَا يُعْلَمُ أَنَّهُ مَكْذُوبٌ، كَحِجَارَةٍ كَثِيرَةٍ يَأْخُذُهَا الْكَذَّابُونَ وَيَنْحِتُونَ فِيهَا مَوْضِعَ قَدَمٍ، وَيَزَعُمُونَ عِنْدَ الْجُهَالِ أَنَّ هَذَا الْمَوْضِعَ قَدَمُ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.

”یہ (تعظیم والا معاملہ) تو اس وقت (زیر بحث آسکتا) ہے، جب ان جوتوں کی نسبت نبی کریم ﷺ سے ثابت ہو۔ لیکن اگر ان کی صحت کا علم ہی نہیں یا ان کا جھوٹا ہونا بالکل معلوم ہے، جس طرح بعض جھوٹے لوگ پتھر لے کر اس میں آپ ﷺ کے پاؤں کا نقش بناتے ہیں اور پھر جاہلوں کے سامنے یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ اس جگہ پر نبی کریم ﷺ کے قدموں کے نشان ہیں، تو اس صورت حال میں ان کی تعظیم کیسے درست ہو سکتی ہے؟“

(اقتضاء الصراط المستقیم لمخالفة أصحاب الجحیم: 337/2)

حافظ ذہبی رحمہ اللہ (673-748ھ) فرماتے ہیں:

وَمِثْلُ هَذَا يَقُولُهُ هَذَا الْإِمَامُ بَعْدَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِخَمْسِينَ سَنَةً، فَمَا الَّذِي نَقُولُهُ نَحْنُ فِي وَفْتِنَا لَوْ وَجَدْنَا بَعْضَ شَعْرِهِ بِإِسْنَادٍ ثَابِتٍ، أَوْ شِسْعَ نَعْلِ كَانَ لَهُ، أَوْ قَلَامَةً ظُفْرِ، أَوْ شَقْفَةً مِّنْ إِنَاءٍ شَرِبَ فِيهِ، فَلَوْ بَذَلَ الْغَنِيُّ مُعْظَمَ أَمْوَالِهِ فِي تَحْصِيلِ شَيْءٍ مِّنْ ذَلِكَ عِنْدَهُ، أَكُنْتَ تَعُدُّهُ مُبَدَّرًا أَوْ سَفِيهًا؟ كَلَّا.

”اس طرح کی بات نبی کریم ﷺ کے پچاس سال بعد اس امام (محمد بن سیرین رحمہ اللہ) نے کہی ہے۔ اب اگر ہمارے زمانے میں ہمیں نبی کریم ﷺ کے

بال، جوتے کے تسمے، ناخن اور برتن کا ٹکڑا، جس میں آپ ﷺ پانی نوش فرمایا کرتے تھے، کا ثبوت صحتِ سند کے ساتھ مل جائے تو ہم کیا کہیں گے؟ اگر کوئی امیر آدمی اس کے حصول کی خاطر کثیر زر خرچ کر دے تو کیا ہم اسے فضول خرچ اور بیوقوف کہیں گے؟ نہیں! ہرگز نہیں۔“ (سیر أعلام النبلاء: 42/4)

ثابت ہوا کہ علماء کرام تبرکاتِ نبویہ میں سند کو صحت اور عدم صحت کے لیے بنیاد بناتے ہیں، جبکہ جاہل اور ظالم لوگوں کو سند سے کوئی سروکار نہیں ہوتا۔

❁ محدث العصر، ناصر السنہ، علامہ البانی رحمہ اللہ (1322-1420ھ) لکھتے ہیں:

هَذَا وَلَا بَدَّ مِنَ الْإِشَارَةِ إِلَى أَنَّ نُوْمُنَ بِجَوَازِ التَّبَرُّكِ بِآثَارِهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَلَا نُنْكِرُهُ خِلَافًا لِمَا يُؤْهِمُهُ صَنِيعُ خُصُومِنَا، وَلَكِنْ لِهَذَا التَّبَرُّكِ شُرُوطًا؛ مِّنْهَا الْإِيمَانُ الشَّرْعِيُّ الْمَقْبُولُ عِنْدَ اللَّهِ، فَمَنْ لَّمْ يَكُنْ مُسْلِمًا صَادِقَ الْإِسْلَامِ؛ فَلَنْ يُحَقِّقَ اللَّهُ لَهُ أَىِّ خَيْرٍ بِتَبَرُّكِهِ هَذَا، كَمَا يُشْتَرَطُ لِلرَّاغِبِ فِي التَّبَرُّكِ أَنْ يَكُونَ حَاصِلًا عَلَى أَثَرٍ مِّنْ آثَارِهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَيَسْتَعْمِلُهُ، وَنَحْنُ نَعْلَمُ أَنَّ آثَارَهُ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ ثِيَابٍ أَوْ شَعْرِ أَوْ فُضُلَاتٍ قَدْ فَقَدَتْ، وَلَيْسَ بِإِمْكَانٍ أَحَدٍ إِثْبَاتِ وُجُودِ شَيْءٍ مِّنْهَا عَلَى وَجْهِ الْقَطْعِ وَالْيَقِينِ، وَإِذَا كَانَ الْأَمْرُ كَذَلِكَ؛ فَإِنَّ التَّبَرُّكَ بِهَذِهِ الْآثَارِ يُصْبِحُ أَمْرًا غَيْرَ ذِي مَوْضُوعٍ فِي زَمَانِنَا هَذَا، وَيَكُونُ أَمْرًا نَظَرِيًّا مَحْضًا، فَلَا يَنْبَغِي إِطَالَةَ الْقَوْلِ فِيهِ.

”ہم ضرور آثارِ نبویہ سے تبرک کے جواز پر ایمان لاتے ہیں، اس کا انکار نہیں

کرتے، لیکن مخالفین ہمارے خلاف پروپیگنڈا کرتے ہیں۔ ہمارے نزدیک تبرک حاصل کرنے کی کچھ شروط ہیں، ان میں سے ایک شرط شریعت پر ایسا ایمان ہے، جو اللہ تعالیٰ کے ہاں مقبول ہو۔ جو شخص سچا مسلمان نہیں ہوتا، اللہ تعالیٰ اسے آثارِ نبویہ سے تبرک میں کوئی خیر نہیں دیتا۔ اسی طرح تبرک حاصل کرنے والے کے لیے ضروری ہے کہ اس کے پاس آپ ﷺ کے کچھ آثار بھی ہوں، جن سے وہ تبرک لیتا ہو۔ مگر ہمیں معلوم ہے کہ نبی کریم ﷺ کے بال، لباس اور دیگر آثار مفقود ہو چکے ہیں۔ اب کسی کے بس کی بات نہیں کہ وہ انہیں یقینی اور قطعی طور پر ثابت کر سکے۔ جب معاملہ یہ ہے تو ہمارے زمانے میں آثارِ نبویہ سے تبرک لینا بے جا ہے۔ یہ محض ایک خیالی معاملہ ہے، جس پر لمبی گفتگو کرنا نامناسب ہے۔“

(التوسل وأنواعه وأحكامه، ص: 144، وفي نسخة: 161، 162)

خود ساختہ تبرکات کے بارے میں بریلوی موقف :

اہل علم کی روش کے خلاف امام بریلویت، احمد رضا خان بریلوی لکھتے ہیں:

”ایسی جگہ ثبوت یقینی باسند محدثانہ کی اصلاً حاجت نہیں، اس کی تحقیق و تنقیح کے پیچھے پڑنا اور بغیر اس کے تعظیم و تبرک سے باز رہنا سخت محرومی کم نصیبی ہے۔ ائمہ دین نے صرف حضور اقدس کے نام سے اُس شے کا معروف ہونا کافی سمجھا ہے۔“

(فتاویٰ رضویہ: 412/21)

نہ معلوم وہ کون سے ائمہ دین ہیں، جو آثارِ نبویہ کے لیے سند کو بنیاد نہیں بناتے، بلکہ جھوٹی شہرت پر اکتفا کر لیتے ہیں، ان لوگوں کے اپنے من پسند اصول ہیں۔ ہم ثبوتوں کے ساتھ بیان کر چکے ہیں علماء کرام تو اس کے لیے سند کو ضروری سمجھتے ہیں۔

ہم تو کہتے ہیں کہ تحقیق کے پیچھے نہ پڑنا اور بغیر تحقیق کے تعظیم و تبرک میں پڑنا کم نصیبی

اور محرومی ہے۔

جناب احمد یار خان نعیمی گجراتی صاحب لکھتے ہیں:
 ”تبرکات کے ثبوت کے لیے مسلمانوں میں یہ مشہور ہونا کہ یہ حضور کے تبرکات
 ہیں، کافی ہے۔“ (جاء الحق: 376/1)

نکاح و ولدیت کا ثبوت اور تبرکات :

جناب احمد یار خان نعیمی لکھتے ہیں:
 ”ہم کہتے ہیں کہ ہم فلاں کے بیٹے فلاں کے پوتے ہیں، اس کا ثبوت نہ قرآن
 میں ہے نہ حدیث سے، نہ ہماری والدہ کے نکاح کے گواہ موجود، مگر مسلمانوں میں
 اس کی شہرت ہے، اتنا ہی کافی ہے، اسی طرح یادگاروں کے ثبوت کے لیے صرف
 شہرت معتبر ہے۔“ (جاء الحق: 376/1)

بریلوی حضرات کی خدمت میں عرض ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی طرف نسبت کا معاملہ
 عام دعووں سے مختلف ہے۔ رسول اللہ ﷺ کی طرف کسی چیز کو منسوب کرنا دلیل و ثبوت کا
 متقاضی اور احتیاط طلب معاملہ ہے۔ رسول اللہ ﷺ کی طرف کسی اثر کو منسوب کرنے کا مطلب
 یہ ہے کہ ایک فعل کی نسبت آپ ﷺ کی طرف کی جا رہی ہے۔ اس کی مثال یوں لیں کہ کسی
 جوتے کو نبی اکرم ﷺ سے منسوب کرنے کا مطلب یہ ہے کہ آپ ﷺ یہ جوتا پہنا کرتے
 تھے۔ یوں یہ ایک حدیث ہے اور کسی جھوٹی حدیث کو آپ ﷺ کی طرف منسوب کرنے کا
 انجام یہ ہے:

«مَنْ كَذَبَ عَلَيَّ مُتَعَمِّدًا؛ فَلْيَتَّبِعُوا مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ» .

”جس نے جان بوجھ کر میری طرف جھوٹ منسوب کیا، وہ اپنا ٹھکانہ جہنم سمجھے۔“

(صحیح البخاری: 1291، صحیح مسلم: 3)

رہی یادگاروں کی بات، تو جن یادگاروں کے متعلق واقعات قرآن و حدیث میں موجود

ہیں یا وہ تواتر کے ساتھ ثابت ہیں، ان کے متعلق کوئی شبہ نہیں ہو سکتا، لیکن جو یادگاریں بغیر ثبوت کے کسی کی طرف منسوب ہیں، وہ بھی مشکوک ہی ہوں گی۔

موجودہ دور کے خود ساختہ اور جعلی تبرکات بھی تواتر سے ثابت نہیں، لہذا انہیں نبی اکرم ﷺ کی طرف منسوب کرنا بہت بڑی جسارت ہے۔

باقی جو نکاح کی بات کی گئی ہے، تو شریعت نے اس میں گواہوں کی موجودگی اسی لیے ضروری اور لازمی شرط کے طور پر رکھی ہے کہ اس کے ثبوت میں کوئی دقت نہ ہو۔ ظاہر ہے کہ نکاح علی الاعلان کیا جاتا ہے اور دو خاص گواہوں کے علاوہ باقی سارے لوگ بھی اس نکاح کے گواہ ہی ہوتے ہیں۔ دو لوگوں کو خاص طور پر گواہ اس لیے بنایا جاتا ہے کہ اگر اس بارے میں کوئی قانونی پیچیدگی ہوتی ہے، تو یہ لوگ عدالت کو اس حوالے سے مطمئن کر سکیں۔ جب پورے علاقے والے لوگ نکاح کے گواہ ہوتے ہیں، تو موجودہ اور آنے والی تمام نسلوں کو بھی یہ گواہی پہنچتی جاتی ہے۔ اگر کسی شخص کے نکاح کے دونوں گواہ فوت ہو چکے ہوں، تو کیا عدالت میں اس کے نکاح کا ثبوت پیش نہیں کیا جاسکے گا؟

اس کے برعکس نبی اکرم ﷺ سے منسوب تبرکات کو ثابت کرنا ممکن ہی نہیں۔ محدثین اور اہل علم نے اس کے لیے تواتر یا سند صحیح کی شرط لگائی ہے اور موجودہ تبرکات کو خود حنفی اہل علم نے بھی مسترد کر دیا ہے، جیسا کہ ہم بیان کر چکے ہیں۔

نعمی صاحب ایک واقعہ ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

”ان سے پوچھا گیا کہ جناب کا اسم شریف کیا ہے؟ فرمانے لگے: عبدالرحمن، والد مہربان کا اسم گرامی کیا ہے؟ فرمایا کہ عبدالرحیم، ہم نے پوچھا کہ اس کا ثبوت کیا ہے؟ کہ آپ عبدالرحیم صاحب کے فرزند ہیں؟ اولاً تو اس نکاح کے گواہ نہیں، اگر کوئی ہو بھی تو وہ صرف عقد نکاح کی گواہی دے گا، یہ کیسے معلوم ہوا کہ جناب کی ولادت شریف ان کے ہی قطرے سے ہے، رک کر بولے کہ جناب مسلمان کہتے

ہیں کہ میں ان کا بیٹا ہوں اور مسلمانوں کی گواہی معتبر ہے، ہم نے کہا: جب مسلمان کہتے ہیں کہ یہ رسول اللہ کا بال شریف ہے اور مسلمانوں کی گواہی معتبر ہے، شرمندہ ہو گئے۔“ (جاء الحق 1: 378)

جناب نعیمی صاحب یہاں خلطِ بحث سے کام لے رہے ہیں۔ بات نبی اکرم ﷺ کی طرف کسی چیز کی نسبت کی ہو رہی ہے، جس کے بارے میں بڑی وضاحت و صراحت سے یہ بات بیان ہو چکی ہے کہ آپ ﷺ کی طرف جھوٹی نسبت جہنم میں جانے کا باعث ہے۔ اس کے برعکس شریعت ہی نے یہ بتایا ہے کہ اگر کسی کے گھر کوئی بچہ پیدا ہوتا ہے، تو وہ اسی کی طرف منسوب ہوگا۔ اگر کوئی شخص یہ بھی دعویٰ کر دے کہ میں نے اس کی ماں کے ساتھ زنا کیا تھا اور یہ میرا بچہ ہے، تو بھی اس کا دعویٰ مسترد کر دیا جائے گا۔ یہ بچہ تو اسی کا ہوگا، جس کے بستر پر پیدا ہوا ہے، جبکہ زنا کا دعویٰ کرنے والے کو زنا کی سزا دی جائے گی، جیسا کہ:

✽ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

«الْوَلَدُ لِلْفِرَاشِ، وَلِلْعَاهِرِ الْحَجَرُ» .

”بچہ بستر (والے) کا ہی ہوگا، البتہ (شادی شدہ) زانی کے لیے (زنا کی سزا کے

طور پر) پتھر ہیں۔“ (صحیح البخاری: 6749، صحیح مسلم: 1457)

اگر کوئی کہے کہ فلاں شخص فلاں کا بیٹا نہیں تو اس نے اس پر حرامی ہونے کا دعویٰ کیا ہے، اس دعویٰ پر اسے چار گواہ پیش کرنا ہوں گے، ورنہ اسے کوڑے لگائے جائیں گے، مگر تبرکات کے متعلق کوئی دعویٰ کر دے کہ یہ تبرکات اصلی نہیں تو اس کو گواہ پیش کرنے کی ضرورت نہیں، البتہ تبرکات کے اصلی ہونے کے دعویدار پر ثبوت پیش کرنا ضروری ہے۔

لہذا تبرکات کو نکاح یا کسی کے حلالی و حرامی ہونے کے دعوے پر قیاس کرنا باطل اور کم

عقلی ہے۔

ایک جھوٹے نقش پا کا قصہ :

حالیہ واقعہ ہے، موضع ”دھرابی“ ضلع چکوال میں ایک شخص نے دعویٰ کیا کہ میرے گھر میں نبی کریم ﷺ تشریف لائے ہیں اور آپ ﷺ کے مبارک قدم کا نشان باقی ہے۔ قبوری لوگ قافلوں کی صورت میں وہاں پہنچے، لیکن بہت جلد اس جھوٹے دعویٰ کی قلعی کھل گئی۔ ہر مسلمان کو معلوم ہونا چاہیے کہ تبرکات کا معاملہ دین اور عقیدہ کا مسئلہ ہے، اسے جھوٹے لوگوں کے رحم و کرم پر مت چھوڑا جائے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ آثارِ نبوی کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا خوف اور ڈر مد نظر رکھنا چاہیے، احتیاط کا دامن نہ چھوڑا جائے۔ اللہ تعالیٰ کے سامنے جواب دہی کا مسئلہ بڑا سخت ہے، یہ جھوٹے دعوے روزِ قیامت وبالِ جان بن جائیں گے۔

تبرکات نبویہ کی تشبیہ :

آثارِ نبویہ سے تبرک حاصل کرنا حق ہے، مگر تبرک اس طریقہ سے حاصل کیا جائے، جیسے صحابہ کرام، تابعین عظام اور تبع تابعین حاصل کیا کرتے تھے۔ آج کل بعض لوگوں نے دین میں غلو کرتے ہوئے تبرکات کی شبیہات بنالی ہیں۔ اسی طرح نعلین کریمین کی فرضی اور مصنوعی تصاویر جھنڈیوں کی زینت بنتی ہیں۔

اولاً تو جن نعلین کی نسبت نبی کریم ﷺ کی طرف کی گئی ہے، وہ نسبت ثابت ہی نہیں۔ ثانیاً آثارِ نبویہ کی فرضی تصاویر اور تشبیہ سے تبرک حاصل کرنا بری بدعت ہے۔ صحابہ کرام، تابعین عظام اور تبع تابعین اس سے ناواقف تھے۔ خیر القرون میں اس کا کوئی ثبوت نہیں۔ یہ کام ایجادِ دین ہے۔

نبی کریم ﷺ کے ساتھ محبت کا ہرگز یہ تقاضا اور مطلب نہیں کہ آپ ﷺ کے آثار کی شبیہ بنالی جائے، اس فرضی تصویر اور شبیہ کی وہی تعظیم و تکریم بجالائی جائے، جو اصلی تبرکات کی بھی جائز نہیں۔ تبرکات کی تصویر بدعت اور منکر کام ہے۔ یہ شرک تک پہنچنے کا راستہ ہموار کرنے کے

مترادف ہے۔ اگر کوئی ان غالیوں سے دلیل کا طلب گار ہو تو اسے گستاخ کہہ دیا جاتا ہے۔ اگر کوئی ان تصاویر اور شبیہات کو مصنوعی اور فرضی کہہ دے تو اسے طرح طرح کے فتوؤں کا سامنا کرنا پڑتا ہے اور اگر کوئی فرضی تصاویر کو ختم کر دے تو اسے گستاخ رسول قرار دیا جاتا ہے، بلکہ اس کے خلاف طوفانِ بدتمیزی برپا کر دیا جاتا ہے۔

ان لوگوں کی اول تا آخر یہی کوشش ہے کہ لوگ حقائق کو نظر انداز کر کے ان فرضی تصاویر کے پیچھے لگ جائیں۔

آثار نبویہ کی شبیہات اور اسلاف امت :

امام بریلویت احمد رضا خان بریلوی لکھتے ہیں:

”بالجملہ مزار اقدس کا نقشہ تابعین کرام اور نعل مبارک کی تصویر تبع تابعین اعلام سے ثابت اور جب سے آج تک ہر قرن و طبقہ کے علما و صلحا میں معمول و رائج، ہمیشہ اکابر دین ان سے تبرک اور ان کی تکریم تعظیم رکھتے آئے ہیں۔“

(شفاء الوالہ فی صور الحبيب و مزاره و نعاله، مندرج فی فتاویٰ رضویہ: 456/2)

تابعین اور اکابر دین کی طرف اس بات کی نسبت کو اگر نرم سے نرم الفاظ میں بھی بیان کیا جائے، تو یہی کہا جاسکتا ہے کہ یہ کائنات کا سیاہ ترین جھوٹ ہے۔ اس کا ثبوت قیامت تک ممکن نہیں۔ حیرانی تو اس بات پر ہے کہ لوگ سلف صالحین پر جھوٹ باندھنے سے ذرہ برابر بھی عار محسوس نہیں کرتے۔

نعلین کی شبیہ پر ایک دلیل کا جائزہ :

بعض لوگ نعلین کی شبیہ بنانے کے جواز پر ایک واقعہ پیش کرتے ہیں، جسے حافظ ابن عساکر رحمہ اللہ نے اپنی سند سے ذکر کیا ہے۔ آپ بھی ملاحظہ فرمائیں:

قَالَ عَبْدُ الْعَزِيزِ : وَأَخْرَجَ إِلَيَّ أَبُو طَالِبٍ عَبْدُ اللَّهِ بْنُ الْحَسَنِ

تِمَثَالًا، فَذَكَرَ أَنَّ أَبَا بَكْرٍ مُحَمَّدَ بْنَ عَدِيٍّ بْنِ عَلِيٍّ بْنِ زَحَرَ
 الْمُنْقَرِيَّ أَخْرَجَ إِلَيْهِ تِمَثَالًا، فَذَكَرَ أَنَّ أَبَا عَثْمَانَ سَعِيدَ بْنَ الْحَسَنِ
 بْنَ عَلِيٍّ التُّسْتَرِيَّ أَخْرَجَ إِلَيْهِ تِمَثَالًا، فَذَكَرَ أَنَّهُ تِمَثَالٌ لِنَعْلِ رَسُولِ
 اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَأَنَّ أَحْمَدَ بْنَ مُحَمَّدٍ الْفَزَارِيَّ أَخْرَجَ
 ذَلِكَ إِلَيْهِ بِأَصْبَهَانَ وَحَدَّثَهُ بِهِ، قَالَ: وَنَا أَبُو طَالِبٍ، قَالَ: وَحَدَّثَنِي
 مُحَمَّدُ بْنُ عَدِيٍّ بْنِ عَلِيٍّ بْنِ زَحَرَ الْمُنْقَرِيُّ: حَدَّثَنِي سَعِيدُ بْنُ
 الْحَسَنِ التُّسْتَرِيُّ بِتُسْتَرٍ: أَنَا أَحْمَدُ بْنُ مُحَمَّدٍ الْفَزَارِيُّ، قَالَ: قَالَ
 أَبُو إِسْحَاقَ إِبْرَاهِيمُ بْنُ الْحَسَنِ، قَالَ: قَالَ أَبُو عَبْدِ اللَّهِ إِسْمَاعِيلُ
 ابْنُ أَبِي أُوَيْسٍ، وَاسْمُ أَبِي أُوَيْسٍ؛ عَبْدُ اللَّهِ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ أُوَيْسٍ
 ابْنِ مَالِكِ بْنِ أَبِي عَامِرٍ الْأَصْبَحِيِّ، قَالَ: كَانَتْ نَعْلُ رَسُولِ اللَّهِ
 صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الَّذِي حُذِثَ هَذِهِ النَّعْلُ عَلَى مِثَالِهَا؛ عِنْدَ
 إِسْمَاعِيلَ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ أُوَيْسٍ الْحَذَاءِ، فَحَذَا مِثَالَ هَذَا النَّعْلِ
 بِحَضْرَتِهِ عَلَى مِثَالِ نَعْلِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِثْلَهَا
 سَوَاءً، وَلَهَا قِبَالَانِ.

”۔۔۔ ابو عبد اللہ اسماعیل اصبھی بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کے نعلین مبارک
 اسی طرح کے تھے، جس طرح اسماعیل بن عبد اللہ بن اویس موچی کے پاس ان کی
 بنی ہوئی شبیہ تھی۔ اس (اسماعیل موچی) نے ان کے سامنے نبی کریم ﷺ کے جوتوں
 جیسے جوتے بنائے، جن کے دو تسمے تھے۔“ (تاریخ دمشق: 363,362/27)

لیکن یہ روایت ایک جھوٹا سلسلہ ہے، کیونکہ:

① اس کے راوی ابو طالب عبداللہ بن حسن بن احمد بن حسن بن ثنی بصری کی توثیق نہیں مل سکی۔

② ابو بکر محمد بن عدی بن علی بن عدی بن زحر منقری بصری کی توثیق درکار ہے۔

③ ابو عثمان سعید بن حسن بن علی تستری کے حالات زندگی نہیں مل سکے۔

④ احمد بن محمد فزاری کا تعین اور توثیق مطلوب ہے۔

اس سند پر نامعلوم اور مجہول راویوں کا قبضہ ہے اور یہ انہی میں سے کسی ایک کی کارستانی ہے، جو بعض غالیوں کے ہاتھ لگ گئی ہے، انہوں نے اسے اپنا دین بنا لیا ہے۔

یہ تھی آثارِ نبویہ کی شبیہات کے جواز پر بعض الناس کی کل کائنات، جس کا حشر آپ نے دیکھ لیا ہے۔ اگر کسی کے پاس اس کے علاوہ کچھ ہے تو پیش کرے، ورنہ مان لے کہ نبی کریم ﷺ کی طرف منسوب نعلین کی تصویر بنا کر اور اس کے جھوٹے فوائد بیان کرنا دین میں دخل اندازی ہے۔ جو لوگ دین میں دخل اندازی کرتے ہیں، ان کا حشر روزِ قیامت ان لوگوں کے ساتھ ہوگا، جنہیں اللہ تعالیٰ نے دُنیا میں بندر اور خنزیر بنا دیا تھا۔

قبر رسول ﷺ کی شبیہ :

نبی کریم ﷺ کی قبر یا حجرہ عائشہ کی شبیہ بنا کر اس کی تکریم و تعظیم کرنا قبیح بدعت ہے، اس کا موجد کون تھا؟ کچھ معلوم نہیں، کسی ثقہ مسلمان سے ایسا کرنا قطعاً ثابت نہیں۔

اس کے باوجود امام بریلویت، احمد رضا خان بریلوی لکھتے ہیں:

”رہا نقشہ روضہ مبارکہ، اس کے جواز میں اصلاً مجالِ سخن و جائے دم زدن نہیں، جس طرح ان تصویروں کی حرمت یقینی ہے، یوں ہی اس کا جواز اجماعی ہے۔“

(فتاویٰ رضویہ: 21/439)

لیکن یہ دعویٰ اجماع سفید جھوٹ ہے۔ یہ اجماع غالیوں کی کسی بند کوٹھڑی میں ہی ہوا

ہوگا۔ اجماع تو درکنار، کسی ایک صحیح العقیدہ سنی مسلمان سے اس کا جواز ثابت کرنا ناممکن ہے۔

قبر نبوی سے تبرک اور سلف صالحین :

یہاں یہ بھی یاد رہے کہ نبی کریم ﷺ کی قبر مبارک تبرکات میں سے نہیں ہے، مبارک ضرور ہے، کیونکہ اس میں نبی کریم ﷺ مدفون ہیں، متبرک اس لیے نہیں کہ صحابہ کرام اور خیر القرون میں کوئی اس کا قائل نہیں۔

بعض لوگ بلا دلیل قبر مبارک سے تبرک کا جواز ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں، جیسا کہ قاضی ابوالحسن علی بن عبدالکافی، بسکی (683-756ھ) لکھتے ہیں:

وَأَنَّ مَعْلُومًا مِّنَ الدِّينِ وَسِيرِ السَّلَفِ الصَّالِحِينَ التَّبَرُّكَ بِبَعْضِ الْمَوْتَى مِنَ الصَّالِحِينَ، فَكَيْفَ بِالْأَنْبِيَاءِ وَالْمُرْسَلِينَ، وَمَنِ ادَّعَى أَنَّ قُبُورَ الْأَنْبِيَاءِ وَغَيْرِهِمْ مِّنْ أَمْوَاتِ الْمُسْلِمِينَ سَوَاءٌ؛ فَقَدْ أَتَى أَمْرًا عَظِيمًا نَّقْطَعُ بِبُطْلَانِهِ وَخَطْئِهِ فِيهِ، وَفِيهِ حَظٌّ لِّمَرْتَبَةِ النَّبِيِّ إِلَى دَرَجَةٍ مِّنْ سِوَاهُ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ، وَذَلِكَ كُفْرٌ بَيِّقِينَ، فَإِنَّ مَنْ حَطَّ رُتْبَةَ النَّبِيِّ عَمَّا يَجِبُ لَهُ؛ فَقَدْ كَفَرَ، فَإِنْ قَالَ: إِنَّ هَذَا لَيْسَ بِحَظٍّ، وَلَكِنَّهُ مَنَعٌ مِّنَ التَّعْظِيمِ خَوْفًا كَمَا يَجِبُ لَهُ، قُلْتُ: هَذَا جَهْلٌ وَسُوءٌ أَدَبٍ.

”دین اور سلف صالحین کی سیرت سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ بعض نیک فوت شدگان سے تبرک حاصل کرنا جائز ہے تو انبیاء اور رسولوں سے کیوں جائز نہیں؟ جو شخص یہ دعویٰ کرتا ہے کہ انبیاء کرام کی قبریں اور عام مسلمانوں کی قبریں برابر

مقام رکھتی ہیں، اس نے اتنی بڑی بات کہی ہے کہ جس کے غلط اور باطل ہونے پر ہمیں یقین ہے۔ جس نے نبی کریم ﷺ کے مقام کو عام مسلمان کے برابر سمجھا، تو یقیناً یہ کفر ہے اور جس نے نبی کریم ﷺ کا مقام و مرتبہ کم کیا، یقیناً اس نے بھی کفر کیا۔ اگر وہ کہے کہ یہ آپ ﷺ کے مقام کو گھٹانا نہیں ہے، بلکہ تعظیم میں مبالغہ سے روکنے کے لیے ہے، تو میں کہتا ہوں کہ یہ جہالت اور بے ادبی ہے۔“

(شفاء السقام في زيارة خير الأنام، ص: 312)

دین اسلام یا خیر القرون کے سلف صالحین میں کسی سے قبروں سے تبرک حاصل کرنا ثابت نہیں۔ ہر بدعتی قبروں سے تبرک کا تو قائل ہے، مگر دلیل اور ثبوت فراہم کرنے سے عاجز و قاصر ہے۔ رہا انبیاء و مرسلین کی قبروں سے تبرک حاصل کرنا، تو یہ بھی دین میں نئی بات ہے۔ صحابہ کرام، تابعین عظام اور تبع تابعین اعلام سے ایسا کرنا ثابت نہیں۔ وہ دین ہی کیا جو خیر القرون میں موجود نہیں تھا؟ محض بے بنیاد دعوؤں کا کوئی فائدہ نہیں۔

نبی کریم ﷺ اور عام مسلمان آدمی کی قبر کو کوئی مسلمان برابر نہیں سمجھتا۔ یہ محض بدگمانی ہے۔ بھلا کوئی سچا مسلمان کیسے سمجھ سکتا ہے کہ ایک قبر مبارک میں پیغمبر کا جسد اقدس ہو، دوسری میں عام اُمتی کا، تو دونوں قبریں برابر مقام رکھتی ہیں؟ ہاں! عدم تبرک میں قبر رسول اور قبر اُمتی کا مسئلہ ایک جیسا ہے، قبر رسول مبارک ہے، متبرک نہیں۔ اس میں نبی کریم ﷺ کی شان میں نقص کا کوئی پہلو نہیں، تعظیم وہی ہے، جسے قرآن و حدیث میں بیان کیا گیا ہو اور خیر القرون میں جسے اپنایا گیا ہو، اس بات میں جہالت یا سوء ادب کا شائبہ تک نہیں۔

قبر نبوی سے عدم تبرک کے قائلین کو جہالت یا سوء ادب کا طعنہ دینا، دراصل سلف صالحین کو مطعون کرنے کی کوشش ہے۔ سلف صالحین میں سے کسی ایک ایسے شخص کا نام بتایا

جائے، جو قبر نبوی سے تبرک کا قائل و فاعل ہو۔ اگر ایسا ممکن نہیں، تو انصاف سے بتایا جائے کہ کیا قبروں سے تبرک کا نظریہ سلف صالحین کے اجماعی عقیدہ کی مخالفت نہیں؟

نقش نعلین سے تبرک :

نقش نعلین سے تبرک بھی بدعت ہے، کیونکہ نقش نعلین بذات خود منکر اور بدعت ہے، جیسا کہ آپ نے معلوم کر لیا ہے۔

نبی کریم ﷺ کے نعلین کریمین سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ کے پاس محفوظ تھے، جیسا کہ:

عِیْسَىٰ بْنِ طَهْمَانَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ بَيَانُ كَرْتِهِ هِيَ:

أَخْرَجَ إِلَيْنَا أَنَسُ بْنُ نَعْلَيْنِ جَرْدَاوَيْنِ، لَهُمَا قِبَالَانِ، فَحَدَّثَنِي ثَابِتُ الْبُنَانِيُّ بَعْدُ، عَنْ أَنَسٍ، أَنَّهُمَا نَعْلَا النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.

”سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ ہمارے پاس بغیر بالوں کے چمڑے والے دو جوتے لائے، جن کے دو تسمے تھے۔ اس کے بعد مجھے ثابت بنانی رضی اللہ عنہ نے سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ کے حوالے سے بتایا کہ وہ نعلین کریمین نبی کریم ﷺ کے تھے۔“

(صحیح البخاری: 438/1، ح: 3107)

سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ کے بعد یہ مبارک جوتے کس کے پاس تھے، اس کا کہیں کوئی ذکر نہیں ملتا۔ لہذا آج کل جو لوگ نعلین کو نبی کریم ﷺ کی طرف منسوب کرتے ہیں، یہ نسبت غلط ہے۔ جب یہ نسبت ہی ثابت نہیں تو نقش نعلین بنا کر اسے نبی پاک ﷺ کے مبارک جوتوں کا نقش قرار دینا جرم عظیم ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ آثار نبویہ سے جیسے صحابہ کرام نے تبرک حاصل کیا، ویسے ہی تبرک حاصل کرنا جائز ہوگا۔ ستم ظریفی یہ ہے کہ بعض لوگوں نے نبی کریم ﷺ کی طرف منسوب نعلین کا نقشہ بنا رکھا ہے، جو کہ فرضی اور مصنوعی ہے، اس کے جھوٹے فوائد بتائے جاتے ہیں،

جھوٹے تجربات بیان کیے جاتے ہیں، مثلاً: جس لشکر میں یہ نقشہ ہوگا، وہ فتح یاب ہوگا، جس قافلے میں ہوگا، بہ حفاظت اپنی منزل پر پہنچے گا، جس کشتی میں ہوگا، وہ ڈوبنے سے محفوظ رہے گی، جس گھر میں ہوگا، وہ جلنے سے محفوظ رہے گا، جس مال و متاع میں ہوگا، وہ چوری سے محفوظ رہے گا اور کسی بھی حاجت کے لیے صاحبِ نعلین سے توسل کیا جائے، تو وہ پوری ہو کر رہے گی اور اس توسل سے تنگی فراخی میں تبدیل ہو جائے گی۔

نقشِ نعلین کے فوائد و برکات میں یہ بھی ذکر کیا جاتا ہے کہ جو شخص اس کو حصولِ برکت کی نیت سے اپنے پاس محفوظ رکھے گا تو اس کی برکت سے وہ شخص ظالم کے ظلم، دشمنوں کے غلبہ، شیاطین کے شر اور حاسدین کی نظر بد سے محفوظ رہے گا، اسی طرح اگر کوئی حاملہ عورت شدتِ دردِ زہ میں اس کو اپنے دائیں پہلو میں رکھ لے، تو اللہ تعالیٰ اپنی قدرت و مشیت سے اس خاتون پر آسانی فرمائے گا۔ اس نقشِ نعلین کی برکتوں میں سے یہ بھی بیان کی جاتی ہے کہ اس کے ذریعہ نظر بد اور جادو ٹوٹنے سے آدمی امان میں رہتا ہے، نیز حادثات سے بچاؤ کے لیے بھی اسے اکسیر بتایا جاتا ہے۔

یہ سب خود ساختہ اور جھوٹی باتیں ہیں۔ نقشِ نعلین سے تبرک حاصل کرنے میں ان کا سلف کون ہے؟ ایک مصنوعی نقشہ کے متعلق یہ کہنا کہ یہ نبی کریم ﷺ کی مبارک جوتیوں کا نقش ہے اور پھر اس کے فوائد و برکات بیان کرنا کون سا دین ہے؟

ہم کہتے ہیں کہ ان منسوبِ نعلین کی تمہارے پاس آخر کیا دلیل ہے؟ مگر وہ دلیل پیش کرنے کے بجائے ہمیں گمراہ، بے دین، بیمار دل اور ناپاک تک کہہ دیتے ہیں۔ ہم اس اختلاف کا فیصلہ اللہ رب العالمین پر چھوڑتے ہیں، جو وہ روزِ قیامت فرمائیں گے، ان شاء اللہ! نبی کریم ﷺ اور آپ کے آثار کی تعظیم وہی ہے، جو دین سے ثابت ہو اور جسے خیر القرون کے مسلمانوں نے اختیار کیا ہو۔

منسوب تبرکات کی زیارت :

نبی کریم ﷺ کی طرف منسوب جھوٹے تبرکات کی زیارت ہوتی ہے، باقاعدہ مخصوص مہینے، مخصوص تاریخ اور مخصوص موقع کے اعلانات ہوتے ہیں، اشتہار چھپتے ہیں۔ وہاں کیا کچھ ہوتا ہے، کسی پر مخفی نہیں۔ ان تبرکات کو مس کیا جاتا ہے، انہیں بوسہ دیا جاتا ہے، جسموں پر ملا جاتا ہے، ان کی زیارت باعث خیر و برکت اور کارِ اجر و ثواب سمجھی جاتی ہے۔

اخلاقی حوالے سے بھی کئی قباحتیں اور خرابیاں پائی جاتی ہیں، مرد و زن کا اختلاط ہوتا ہے، بے حیائی اور بے پردگی عروج پر ہوتی ہے، نوخیز لڑکے اور لڑکیاں اکٹھے ہوتے ہیں، تصاویر اتاری جاتی ہیں، شرم و حیا کا جنازہ نکالا جاتا ہے، دین کے نام پر بے غیرتی، عریانی اور فحاشی کو فروغ دیا جاتا ہے، عورتیں بن ٹھن کر نیم برہنہ ہو کر گھروں سے نکلتی ہیں۔

برصغیر پاک و ہند کے حنفی عالم عبدالحی لکھنوی لکھتے ہیں:

”جب یہ تمام اور ظاہر ہو چکے تو مسائل کو سمجھنا چاہئے کہ جو لوگ مذکورہ سوال کے موافق موئے مبارک کی زیارت کراتے ہیں، وہ بدعات و مختصرات کے پابند ہیں، روایت مذکورہ بالا کے موافق جب حضرت ام سلمہ سے موئے مبارک کا پانی مریض کے لیے مانگا گیا تو انہوں نے نہ ڈول تاشہ بجوایا، نہ قرآن خوانی کرائی، نہ مجلس مرتب کی، نہ وقت مقرر کیا، نہ تاریخ معین کی، غرض کسی قسم کے تعینات خاصہ سے اس کو مفید نہیں کیا، بلکہ اس کی برکت کو ہر وقت میں قابل استفادہ خیال کیا، بخلاف اس صورت کے جس کو مسائل نے بیان کیا ہے، جس میں تعین ماہ و یوم و تاریخ کو امر ضروری اور ازدیاد ثواب میں مؤثر خیال کیا ہے، جس کی سنت نبویہ میں کوئی اصل نہیں ہے اور تداعی اور انعقاد محافل خاصہ کو ضروری خیال کیا ہے، اس میں نوبت و نکارہ اور جملہ مزامیر مہیا کیے جاتے ہیں، جو سراسر شیاطین کے افعال

ہیں، مالیدہ موئے مبارک بھی بطور نذر لغیر اللہ کیا جاتا ہے اور تبرک کی طرح بانٹا جاتا ہے، حالانکہ اس سے انتفاع حرام قطعی ہے، غزلیں گاتے ہیں، حالانکہ ایسے راگ بالاتفاق حرام ہیں، پس برکت حاصل کرنا جو زائد سے زائد مستحب ثابت ہو گا، ایسے محرمات شرعیہ کے ارتکاب کا باعث ہوا جن سے اجتناب واجب ہے اور ظاہر ہے جس امر مستحب کے ارتکاب سے ترک واجب لازم آئے، اس کا ترک کرنا واجب ہے، پس اس صورت میں ہرگز شریعت اس بات کی اجازت نہ دے گی کہ ایسی بدعات کے ساتھ اس امر مستحب کا ارتکاب صحیح ہو اور اس کا نفس استحباب بھی اس صورت میں مسلم ہے، جب ثابت ہو جائے کہ واقعی یہ موئے مبارک حضور ہی کا ہے اور اگر یہ امر پایہ ثبوت کو نہ پہنچے تو ایسے جلسے میں بقصد تبرک حاضر ہونا بھی جائز نہیں اور موئے مبارک پر نذر ماننا اور چڑھاوا چڑھانا حرام ہے، کیونکہ نذر عبادت ہے اور غیر خدا کی عبادت حرام ہے۔“

(مجموع الفتاویٰ: 3/177، 178)

منبر رسول ﷺ سے تبرک :

منبر رسول ﷺ مبارک تھا، کیونکہ اسے نبی کریم کے جسد اقدس کا لمس نصیب ہوا تھا۔ صحابہ کرام اس کو چھو کر دُعا کیا کرتے تھے، جیسا کہ:

یزید بن عبد اللہ بن قسیط بیان کرتے ہیں:

رَأَيْتُ نَفَرًا مِّنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، إِذَا خَلَا لَهُمُ الْمَسْجِدُ؛ قَامُوا إِلَى رُمَانَةِ الْمِنْبَرِ الْقَرْعَاءِ، فَمَسَحُوهَا وَدَعَوْا، قَالَ: وَرَأَيْتُ يَزِيدَ يَفْعَلُ ذَلِكَ.

میں نے نبی کریم ﷺ کے صحابہ کرام کو دیکھا، جب مسجد خالی ہو جاتی تو وہ بوسیدہ

منبر کے پاس جا کر اسے ارد گرد سے مس کرتے اور دعا مانگتے، میں نے یزید کو ایسا کرتے ہوئے دیکھا ہے۔“ (مصنف ابن ابی شیبہ: 120/4، الطبقات الکبریٰ لابن سعد: 1/196، وسندہ صحیح)

یہاں یہ بات بھی یاد رکھنا ضروری ہے کہ عام تبرکات کی طرح یہ معاملہ بھی صرف نبی اکرم ﷺ کے منبر مبارک کے ساتھ خاص تھا۔ کسی نیک بزرگ کے منبر یا بیٹھنے کی جگہ کو اس پر قیاس نہیں کیا جاسکتا۔

اسی ضمن میں سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے بارے میں مروی ہے کہ ابراہیم بن عبدالرحمن بن عبدالقاری بیان کرتے ہیں:

إِنَّهُ نَظَرَ إِلَى ابْنِ عُمَرَ وَضَعَ يَدَهُ عَلَى مَقْعَدِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنَ الْمِنْبَرِ، ثُمَّ وَضَعَهَا عَلَى وَجْهِهِ.

”میں نے سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کو دیکھا کہ انہوں نے نبی کریم ﷺ کے منبر پر بیٹھنے والی جگہ پر ہاتھ رکھا، پھر اسے اپنے چہرے پر پھیر لیا۔“

(الطبقات لابن سعد: 1/196، وفي نسخة: 1/254)

لیکن اس کی سند ”ضعیف“ ہے، کیونکہ اس کے راوی ابراہیم بن عبدالرحمن بن عبدالقاری کی امام ابن حبان (الثقات: 4/9) کے علاوہ کسی نے توثیق نہیں کی، لہذا یہ ”مجهول الحال“ ہے۔ مجهول راویوں کی روایات مقبول نہیں ہوتیں۔

یہ بھی یاد رہے کہ منبر رسول ﷺ اب دنیا میں نہیں رہا، بلکہ وہ جل گیا تھا، جیسا کہ بیان کیا جا چکا ہے، لہذا اب منبر رسول ﷺ سے تبرک لینا ممکن نہیں۔

حصول تبرک کے لیے قرب رسول ﷺ میں دفن ہونے کی خواہش :

تبرک کے لیے نبی کریم ﷺ کے قرب میں دفن ہونے کی خواہش کرنے کی کوئی اصل

نہیں۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی خواہش تھی کہ وہ اپنے حجرہ میں نبی کریم ﷺ اور اپنے والد گرامی، سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پہلو میں دفن ہوں۔ دوسری طرف سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے بھی خواہش ظاہر کی کہ وہاں مجھے دفن ہونے کی اجازت دے دی جائے۔ اس پر سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے اجازت دے دی۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اللہ تعالیٰ کی تعریف و ستائش کی اور بوقت وفات فرمایا کہ میری میت کو اٹھا کر لے جانا اور سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے دوبارہ اجازت طلب کرنا، اگر وہ اجازت دے دیں تو مجھے نبی کریم ﷺ اور سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ساتھ دفن کر دینا۔

جب اجازت مل گئی، تو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے جو فرمایا، اس کے الفاظ یہ ہیں:

مَا كَانَ شَيْءٌ أَهَمَّ إِلَيَّ مِنْ ذَلِكَ الْمَضْجَعِ، فَإِذَا قُبِضْتُ؛ فَاحْمِلُونِي، ثُمَّ سَلِّمُوا، ثُمَّ قُلْ: يَسْتَأْذِنُ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ، فَإِنْ أَذِنْتَ لِي، فَادْفِنُونِي، وَإِلَّا؛ فَرُدُّونِي إِلَى مَقَابِرِ الْمُسْلِمِينَ.

”مجھے اور کوئی چیز اس جگہ دفن ہونے سے زیادہ محبوب نہیں۔ جب میری روح قبض ہو جائے، تو مجھے اٹھا کر لے جانا اور دوبارہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو میرا سلام پہنچا کر گزارش کرنا: عمر (رضی اللہ عنہ) نے آپ سے اجازت چاہی ہے۔ اگر اس وقت مجھے اجازت دے دیں، تو مجھے وہاں دفن کر دینا، ورنہ عام مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کر دینا۔“ (صحیح البخاری: 1392)

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے نبی کریم ﷺ اور سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ساتھ دفن ہونے کی خواہش کا اظہار حصول برکت کے لیے نہیں، بلکہ شرف و عزت کے لیے کیا تھا کہ انہیں نبی کریم ﷺ اور سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ساتھ دفن ہونے کا شرف حاصل ہو جائے۔ یہ بڑی عزت کی بات ہے۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا بھی یہی ارادہ تھا۔ حدیث کے الفاظ بھی یہی بتاتے ہیں:

فَأَذِنَتْ لَهُ، حَيْثُ أَكْرَمَهُ اللَّهُ مَعَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
وَمَعَ أَبِي بَكْرٍ .

”سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو حجرہ نبوی میں دفن ہونے کی اجازت دے
دی۔ یوں اللہ تعالیٰ نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو رسول اللہ ﷺ اور سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ کے
ساتھ (دفن ہونے کا) شرف نصیب فرمایا۔“

(مصنّف ابن أبي شيبة : 576/14، وسنده صحيح)

یہ کہنا کہ نبی کریم ﷺ کے ساتھ دفن تبرک کی غرض سے تھا، بے دلیل ہے، نیز یہ فہم سلف
صالحین کے بھی خلاف ہے۔

تنبیہ ① :

اس سلسلے میں بعض لوگ ایک روایت پیش کرتے ہیں، اس کا علمی و تحقیقی جائزہ پیش
خدمت ہے :

سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے منسوب ہے :

لَمَّا حَضَرَتْ أَبَا بَكْرٍ الْوَفَاةُ أَقْعَدَنِي عِنْدَ رَأْسِهِ، وَقَالَ لِي : يَا عَلِيُّ،
إِذَا أَنَا مِتُّ؛ فَغَسِّلْنِي بِالْكَفِّ الَّذِي غَسَّلْتَ بِهِ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَحَنِّطُونِي، وَادْهَبُوا بِي إِلَى الْبَيْتِ الَّذِي فِيهِ رَسُولُ
اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَاسْتَأْذِنُوا، فَإِنْ رَأَيْتُمْ الْبَابَ قَدْ يُفْتَحُ؛
فَادْخُلُوا بِي، وَإِلَّا فَرُدُّونِي إِلَى مَقَابِرِ الْمُسْلِمِينَ، حَتَّى يَحْكُمَ اللَّهُ
بَيْنَ عِبَادِهِ، قَالَ : فَغَسَّلَ وَكُفِّنَ، وَكُنْتُ أَوَّلَ مَنْ يَأْذُنُ إِلَى الْبَابِ،
فَقُلْتُ : يَا رَسُولَ اللَّهِ، هَذَا أَبُو بَكْرٍ مُسْتَأْذِنٌ، فَرَأَيْتُ الْبَابَ قَدْ

تُفْتَحْ، وَسَمِعْتُ قَائِلًا يَقُولُ : أَدْخِلُوا الْحَبِيبَ إِلَى حَبِيبِهِ، فَإِنَّ
الْحَبِيبَ إِلَى الْحَبِيبِ مُشْتَاقٌ .

”جب سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی وفات کا وقت آیا، تو انہوں نے مجھے اپنے سر کی جانب بیٹھایا۔ فرمایا: علی! جب میں فوت ہو جاؤں، تو مجھے اس ہتھیلی سے غسل دینا، جس سے آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو غسل دیا تھا۔ پھر مجھے خوشبو لگا کر اس گھر کی طرف لے جانا، جہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آرام فرما رہے ہیں۔ جا کر اجازت طلب کرنا۔ اگر آپ دیکھیں کہ دروازہ کھل رہا ہے، تو مجھے اندر لے جانا، ورنہ مجھے عام مسلمانوں کے قبرستان میں لے جانا، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ بندوں کے درمیان فیصلہ فرما دے۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: انہیں غسل و کفن دیا گیا، سب سے پہلے میں نے دروازے کے پاس جا کر اجازت طلب کرتے ہوئے عرض کیا: یا رسول اللہ! یہ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ ہیں، جو آپ سے اجازت طلب کرتے ہیں۔ اسی دوران میں نے دیکھا کہ دروازہ کھلنا شروع ہو گیا۔ میں نے سنا، کوئی کہہ رہا تھا: دوست کو دوست کے پاس لے چلو، کیونکہ محبوب اپنے حبیب کی چاہت رکھتا ہے۔“

(تاریخ دمشق لابن عساکر: 436/30)

تبصرہ :

یہ روایت جھوٹی ہے، اسے ذکر کرنے کے بعد :

✽ حافظ ابن عساکر رحمہ اللہ خود فرماتے ہیں :

هَذَا مُنْكَرٌ، وَرَأَوِيهِ أَبُو الطَّاهِرِ مُوسَى بْنُ مُحَمَّدٍ بْنِ عَطَاءٍ
الْمَقْدِسِيُّ وَعَبْدُ الْجَلِيلِ مَجْهُوْلٌ .

”یہ جھوٹی روایت ہے، اس کے راوی ابو طاہر موسیٰ بن محمد بن عطا مقدسی اور عبد الجلیل دونوں مجہول ہیں۔“

✽ حافظ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

وَفِي إِسْنَادِهِ أَبُو الطَّاهِرِ مُوسَى بْنُ مُحَمَّدٍ بْنِ عَطَاءٍ الْمَقْدِسِيُّ كَذَّابٌ، عَنْ عَبْدِ الْجَلِيلِ الْمُرِّيِّ، وَهُوَ مَجْهُولٌ.

”اس روایت کی سند میں ابو طاہر موسیٰ بن محمد بن عطا مقدسی جھوٹا، عبد الجلیل مجہول سے بیان کرتا ہے۔“ (الخصائص الكبرى: 492/2)

✽ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

وَأَبُو طَاهِرٍ، هُوَ مُوسَى بْنُ مُحَمَّدٍ بْنِ عَطَاءٍ، كَذَّابٌ، وَعَبْدُ الْجَلِيلِ مَجْهُولٌ.

”ابو طاہر موسیٰ بن محمد بن عطا مقدسی جھوٹا اور عبد الجلیل مجہول ہے۔“

(لسان المیزان: 391/3)

✽ نیز اس روایت کے بارے میں لکھتے ہیں:

خَبَرٌ بَاطِلٌ.

”یہ روایت باطل ہے۔“ (لسان المیزان: 391/3)

✽ حافظ خطیب بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں:

عَرِيبٌ جِدًّا.

”یہ روایت انتہائی کمزور ہے۔“ (الخصائص الكبرى للسيوطي: 492/2)

تنبیہ ۲ :

سیدنا جندب بن عبد اللہ بکلی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو وفات سے پانچ دن پہلے یہ فرماتے ہوئے سنا:

«إِنِّي أَبْرَأُ إِلَى اللَّهِ أَنْ يَكُونَ لِي مِنْكُمْ خَلِيلٌ، فَإِنَّ اللَّهَ تَعَالَى قَدْ اتَّخَذَنِي خَلِيلًا، كَمَا اتَّخَذَ إِبْرَاهِيمَ خَلِيلًا، وَلَوْ كُنْتُ مُتَّخِذًا مِنْ أُمَّتِي خَلِيلًا؛ لَاتَّخَذْتُ أَبَا بَكْرٍ خَلِيلًا، أَلَا، وَإِنَّ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ كَانُوا يَتَّخِذُونَ قُبُورَ أَنْبِيَائِهِمْ وَصَالِحِيهِمْ مَسَاجِدَ، أَلَا فَلَا تَتَّخِذُوا الْقُبُورَ مَسَاجِدَ، إِنِّي أَنْهَاكُمْ عَنْ ذَلِكَ».

”میں اللہ تعالیٰ کے ہاں اس بات سے بری ہوں کہ تم میں سے کوئی میرا خلیل ہو۔ میرے رب نے مجھے اپنا خلیل بنا لیا ہے، جس طرح اس نے ابراہیم علیہ السلام کو خلیل بنایا تھا۔ اگر میں اپنی امت میں سے کسی کو اپنا خلیل بناتا، تو ابو بکر صدیق کو خلیل بناتا۔ خبردار! بے شک تم سے پہلے لوگوں نے اپنے انبیاء کرام اور صالحین کی قبروں کو سجدہ گاہ بنا لیا تھا۔ تم قبروں کو سجدہ گاہ نہ بنانا، میں تمہیں اس سے منع کرتا ہوں۔“

(صحیح مسلم: 532)

❁ علامۃ الیمن، شوکانی رحمۃ اللہ علیہ (1173-1250ھ) لکھتے ہیں:

وَاسْتَنْبَطَ الْبَيْضَاوِيُّ مِنْ عِلَّةِ التَّعْظِيمِ جَوَازَ اتِّخَاذِ الْقُبُورِ فِي جَوَارِ الصَّلَحَاءِ لِقَصْدِ التَّبَرُّكِ دُونَ التَّعْظِيمِ، وَرَدَّ بِأَنَّ قَصْدَ التَّبَرُّكِ تَعْظِيمٌ. ”بیضاوی نے علتِ تعظیم سے یہ استنباط کیا ہے کہ صلحا کے قرب میں تعظیماً نہیں، تبرکاً قبر بنانا جائز ہے، مگر یہ کہہ کر ان (بیضاوی) کا رد کر دیا گیا ہے کہ تبرک، تعظیم

ہی تو ہے۔“ (نیل الأوطار: 159/2)

ڈاکٹر طاہر القادری کا مبلغ علم :

ڈاکٹر محمد طاہر القادری کا مبلغ علم ملاحظہ ہو، وہ اس عبارت کا ترجمہ یوں کرتے ہیں:

”امام بیضاوی نے علتِ تعظیم سے استنباط کرتے ہوئے صلحاء کے قرب میں تبرکاً

قبر بنانا جائز قرار دیا ہے، نہ کہ تعظیماً اور انہوں نے اس بات کو رد کیا ہے کہ تبرک

بھی تعظیم (عبادت) ہے۔“ (تبرک کی شرعی حیثیت، ص: 123)

جہالت اور تعصب کی وجہ سے ڈاکٹر صاحب عبارت کا صحیح ترجمہ کرنے سے قاصر رہے،

سادہ لوح عوام کی کمزوری سے فائدہ اٹھانے کی ناکام کوشش کی۔

رہا بیضاوی کا استنباط، تو اسلاف امت کے مقابلے میں ان کی کیا حیثیت ہے؟

جگہوں اور مکانات و مقامات سے تبرک :

ایسی تمام جگہیں اور مقامات جہاں نبی کریم ﷺ نے نماز ادا کی، وہاں قیام فرمایا، پڑاؤ

ڈالا، وہاں پر تشریف فرما ہوئے، ان سے تبرک حاصل کرنا جائز نہیں، بلکہ بدعت ہے۔

قرآن و حدیث اور آثارِ سلف میں سے اس پر کوئی استناد نہیں، البتہ جہاں آپ اکثر و

بیشتر نماز ادا فرماتے رہے، سنت کے اتباع میں بعض صحابہ کرام بھی وہاں نماز ادا کرنے کی

کوشش کرتے تھے، جیسا کہ:

✽ یزید بن ابی عبید تابعی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

كُنْتُ آتِي مَعَ سَلَمَةَ بْنِ الْأَكْوَعِ، فَيُصَلِّي عِنْدَ الْأُسْطُوَانَةِ الَّتِي عِنْدَ

الْمُصْحَفِ، فَقُلْتُ: يَا أَبَا مُسْلِمٍ، أَرَأَيْكَ تَتَحَرَّى الصَّلَاةَ عِنْدَ هَذِهِ

الْأُسْطُوَانَةِ، قَالَ: فَإِنِّي رَأَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَتَحَرَّى

الصَّلَاةَ عِنْدَهَا.

”میں سیدنا سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ کے ہمراہ مسجد نبوی میں آیا کرتا تھا۔ آپ ہمیشہ اس ستون کے سامنے کھڑے ہو کر نماز پڑھا کرتے تھے، جہاں قرآن مجید رکھا ہوتا تھا۔ میں نے ان سے کہا: ابو مسلم! میں دیکھتا ہوں کہ آپ ہمیشہ اسی ستون کے سامنے کھڑے ہو کر نماز ادا کرتے ہیں۔ انہوں نے بتایا کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ خاص طور پر اسی ستون کے سامنے کھڑے ہو کر نماز ادا فرمایا کرتے تھے۔“ (صحیح البخاری: 502، صحیح مسلم: 509)

❁ شیخ الاسلام، احمد بن عبد الحلیم، ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ (661-728ھ) اس حدیث کو دلیل بناتے ہوئے لکھتے ہیں:

فَأَمَّا الْمَكْنَةُ الَّتِي كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقْصِدُ الصَّلَاةَ أَوِ الدُّعَاءَ عِنْدَهَا؛ فَقَصْدُ الصَّلَاةِ فِيهَا أَوِ الدُّعَاءِ سُنَّةٌ، اقْتِدَاءٌ بِرَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاتِّبَاعًا لَهُ، كَمَا إِذَا تَحَرَّيَ الصَّلَاةُ أَوِ الدُّعَاءَ فِي وَقْتٍ مِّنَ الْأَوْقَاتِ؛ فَإِنَّ قَصْدَ الصَّلَاةِ أَوِ الدُّعَاءِ فِي ذَلِكَ الْوَقْتِ سُنَّةٌ، كَسَائِرِ عِبَادَاتِهِ، وَسَائِرِ الْأَفْعَالِ الَّتِي فَعَلَهَا عَلَى وَجْهِ التَّقَرُّبِ.

”رہے وہ مقامات جہاں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم دُعا اور نماز کے لیے جایا کرتے تھے، وہاں جا کر دعا کرنا اور نماز پڑھنا مسنون ہے اور اس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتدا و اتباع ہے، جس طرح کہ جن اوقات میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھا کرتے تھے، یا دعا کیا کرتے تھے، ان اوقات میں نماز پڑھنا یا دعا کرنا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی باقی تمام عبادات اور ان افعال کی طرح مسنون ہے، جنہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم قرب الہی کے طور پر کیا

کرتے تھے۔“ (اقتضاء الصراط المستقیم لمخالفة أصحاب الجحیم: 276/2)
وہ جگہیں، جہاں نبی کریم ﷺ نے اتفاقاً نماز ادا کی، سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سنت کے
اتباع میں وہاں بھی نماز ادا کر لیتے تھے، جیسا کہ:

❁ موسیٰ بن عقبہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

رَأَيْتُ سَالِمَ بْنَ عَبْدِ اللَّهِ يَتَحَرَّى أَمَاكِنَ مِنَ الطَّرِيقِ، فَيُصَلِّي فِيهَا،
وَيُحَدِّثُ أَنَّ أَبَاهُ كَانَ يُصَلِّي فِيهَا، وَأَنَّهُ رَأَى النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ
وَسَلَّمَ يُصَلِّي فِي تِلْكَ الْمَكْنَةِ .

”میں نے سالم بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کو دیکھا، وہ مدینہ سے مکہ کے راستے میں کئی
جگہوں کو ڈھونڈ کر وہاں نماز پڑھتے اور کہتے کہ ان کے والد محترم سیدنا عبداللہ بن
عمر رضی اللہ عنہما بھی ان مقامات پر نماز پڑھا کرتے تھے، کیونکہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ
کو ان مقامات پر نماز پڑھتے دیکھا تھا۔ (صحیح البخاری: 483)

❁ نافع رضی اللہ عنہ، سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں:

إِنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَاخَ بِالْبُطْحَاءِ بِذِي الْحُلَيْفَةِ،
فَصَلَّى بِهَا، وَكَانَ عَبْدُ اللَّهِ بْنُ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا يَفْعَلُ ذَلِكَ .
”رسول اللہ ﷺ نے مقام ذوالحلیفہ کے پتھر یلے میدان میں سواری روک کر نماز
ادا کی۔ راوی حدیث نافع رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بھی ایسا ہی کیا
کرتے تھے۔“ (صحیح البخاری: 1532، صحیح مسلم: 1257)

❁ نافع رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

إِنَّ عَبْدَ اللَّهِ بْنَ عُمَرَ كَانَ إِذَا دَخَلَ الْكَعْبَةَ؛ مَشَى قِبَلَ وَجْهِهِ حِينَ

يَدْخُلُ، وَجَعَلَ الْبَابَ قِبَلَ ظَهْرِهِ، فَمَشَى حَتَّى يَكُونَ بَيْنَهُ وَبَيْنَ الْجِدَارِ الَّذِي قِبَلَ وَجْهِهِ قَرِيبًا مِّنْ ثَلَاثَةِ أَذْرُعٍ، صَلَّى يَتَوَخَّى الْمَكَانَ الَّذِي أَخْبَرَهُ بِهِ بِلَالٌ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلَّى فِيهِ، قَالَ: وَلَيْسَ عَلَيَّ أَحَدِنَا بِأَسَّ إِذْ صَلَّى فِي أَيِّ نَوَاحِي الْبَيْتِ شَاءَ.

”سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما جب کعبۃ اللہ میں داخل ہوتے، تو دروازے کی طرف پشت کر کے سیدھا منہ کی سمت چلے جاتے، یہاں تک کہ جب ان میں اور سامنے کی دیوار میں تین ہاتھ کا فاصلہ رہ جاتا تو نماز پڑھتے، کیونکہ آپ رضی اللہ عنہ اس جگہ نماز پڑھنا چاہتے تھے، جس کے بارے میں سیدنا بلال رضی اللہ عنہ نے آپ کو بتایا تھا کہ نبی کریم ﷺ نے یہاں نماز پڑھی تھی۔ سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے یہ بھی فرمایا کہ ہم بیت اللہ میں جس جانب بھی نماز پڑھیں، اس میں کوئی حرج نہیں۔“

(صحیح البخاری: 506)

یعنی کعبۃ اللہ کے کسی بھی کونے میں نماز پڑھنے میں کوئی حرج نہیں، البتہ سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے اتباع سنت کے جذبہ سے سرشار ہو کر اس جگہ کی تلاش کی، جہاں نبی کریم ﷺ نے نماز ادا کی۔

سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے اتباع سنت کی ایک اور مثال ملاحظہ ہو:

❀ عبداللہ بن دینار رحمہ اللہ، سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے بیان کرتے ہیں:

كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَأْتِي مَسْجِدَ قُبَاءٍ كُلَّ سَبْتٍ، مَا شِئًا وَرَاكِبًا، وَكَانَ عَبْدُ اللَّهِ بْنُ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا يَفْعَلُهُ.

”نبی کریم ﷺ ہر ہفتے والے دن پیدل یا سوار ہو کر مسجد قبا تشریف لے جایا کرتے تھے، سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بھی ایسا ہی کرتے تھے۔“

(صحیح البخاری: 1193)

ان مثالوں سے واضح ہوتا ہے کہ سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما اتباع سنت کے جذبہ سے ایسا کرتے تھے، نہ کہ حصول تبرک کے لیے۔ ان کا مقصود صرف اور صرف نبی کریم ﷺ کی پیروی اور آپ ﷺ کی اقتدا تھا۔

✽ شیخ الاسلام، امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ (م: 728ھ) لکھتے ہیں:

هَذَا مِنْ ابْنِ عُمَرَ تَحَرَّرَ لِمِثْلِ فِعْلِهِ، فَإِنَّهُ قَصَدَ أَنْ يَفْعَلَ مِثْلَ فِعْلِهِ، فِي نَزْوِلِهِ وَصَلَاتِهِ.

”سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما اس لیے ایسے کاموں کے متلاشی رہتے تھے کہ ان کا مقصد نبی کریم ﷺ کا کامل اتباع تھا کہ کس جگہ نبی کریم ﷺ نے پڑاؤ ڈالا ہے اور کس مقام پر آپ ﷺ نے نماز ادا کی۔“

(اقتضاء الصراط المستقیم لمخالفة أصحاب الجحیم: 330/2)

✽ امیر المومنین، سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے سواری پر سوار ہوتے وقت ”بسم اللہ“ پڑھ کر رکاب پر پاؤں رکھا، سواری کی پیٹھ پر بیٹھ کر ”الحمد للہ“ کہہ کر دُعا پڑھی، پھر ہنس دیے، پوچھا گیا:

مَا يُضْحِكُكَ يَا أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ؟

”امیر المومنین! آپ مسکرائے کس لیے ہیں؟“

جواباً فرمایا:

رَأَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَعَلَ مِثْلَ مَا فَعَلْتُ.

”میں نے رسول اللہ ﷺ کو ایسا کرتے دیکھا تھا۔“

(السنن الکبریٰ للبیہقی: 252/5، وسندہ صحیح)

نبی کریم ﷺ کا ہنسنا، سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے ہنسنے کا باعث بنا اور کوئی وجہ نہیں تھی۔ اسی طرح سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے بھی نبی کریم ﷺ کی اقتدا و اتباع میں وہاں وہاں نماز پڑھی اور پڑاؤ ڈالا، جہاں آپ ﷺ نے اتفاقاً نماز پڑھی اور پڑاؤ ڈالا تھا۔

اس حوالے سے سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما کی ایک اور روایت ملاحظہ فرمائیں:

❁ نافع رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

رَأَيْتُ ابْنَ عُمَرَ، إِذَا ذَهَبَ إِلَى قُبُورِ الشُّهَدَاءِ عَلَى نَاقَتِهِ؛ رَدَّهَا هَكَذَا وَهَكَذَا، فَقِيلَ لَهُ فِي ذَلِكَ، فَقَالَ: إِنِّي رَأَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي هَذَا الطَّرِيقِ عَلَى نَاقَتِهِ، فَقُلْتُ: لَعَلَّ خُفِّي يَقَعُ عَلَى خُفِّهِ.

”میں نے سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما کو دیکھا کہ جب وہ شہداء کی قبروں کی طرف جاتے، تو اپنی اوٹنی کو موڑتے۔ اس بارے میں ان سے پوچھا گیا، تو فرمایا: میں نے رسول اکرم ﷺ کو اس راستے میں اپنی اوٹنی پر دیکھا تھا۔ میں نے سوچا کہ شاید میری اوٹنی کا پاؤں آپ ﷺ کی اوٹنی کے پاؤں کے اوپر آجائے۔“

(مصنّف ابن أبي شيبة: 327/13، السنن الكبرى للبيهقي: 249/5، واللفظ له، حلية

الأولياء لأبي نعيم: 310/1، وسندہ حسن)

سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما ہر معاملہ میں اتباع سنت کے جذبہ سے سرشار تھے۔

ایک روایت پر تبصرہ :

✽ عمران القاری رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں:

عَدَلَ إِلَيَّ عَبْدُ اللَّهِ بْنُ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ، وَأَنَا نَازِلٌ تَحْتَ سَرْحَةٍ بِطَرِيقِ مَكَّةَ، فَقَالَ: مَا أَنْزَلَكَ تَحْتَ هَذِهِ السَّرْحَةِ؟ قَالَ: فَقُلْتُ: أَرَدْتُ ظِلَّهَا، فَقَالَ: هَلْ غَيْرَ ذَلِكَ؟ فَقُلْتُ: أَرَدْتُ ظِلَّهَا، فَقَالَ: هَلْ غَيْرَ ذَلِكَ؟ فَقُلْتُ: لَا، مَا أَنْزَلَنِي غَيْرُ ذَلِكَ، فَقَالَ عَبْدُ اللَّهِ بْنُ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِذَا كُنْتَ بَيْنَ الْأَخْشَبَيْنِ مِنْ مَنَى، وَنَفَحَ بِيَدِهِ نَحْوَ الْمَشْرِقِ، فَإِنَّ هُنَالِكَ وَادِيًا يُقَالُ لَهُ السَّرُّ، بِهِ سَرْحَةٌ، سُرَّ تَحْتَهَا سَبْعُونَ نَبِيًّا.

”میں مکہ کے راستے میں ایک درخت کے نیچے ٹھہرا ہوا تھا۔ سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے مجھے مخاطب ہو کر دریافت فرمایا: آپ اس درخت کے نیچے کیوں ٹھہرے ہیں؟ میں نے عرض کیا: اس کے سائے کی وجہ سے۔ فرمایا: کوئی اور وجہ؟ میں نے پھر عرض کیا: صرف اس کے سائے کی وجہ سے۔ پھر فرمایا: کوئی اور وجہ؟ میں نے پھر عرض کیا: صرف اس کے سائے کی وجہ سے۔ اس پر سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مشرق کی جانب اشارہ کرتے ہوئے فرمایا: جب آپ منی کے ان دو پہاڑوں کے درمیان ہوں، تو ان کے درمیان ایک وادی ہے، جسے سر رکہتے ہیں۔ وہاں ایک درخت ہے جہاں ستر نبیوں کے ناف (نال) کاٹے گئے (یعنی ان کی وہاں ولادت ہوئی)۔“

(الموطأ للإمام مالک: 423/1، 424، مسند الإمام أحمد: 2/138، سنن النسائي:

2995، وصححه ابن حبان: 6244)

تبصرہ:

یہ روایت ”ضعیف“ اور ”منکر“ ہے، کیونکہ:

- ① اس کا راوی محمد بن عمران انصاری ”مجہول“ ہے۔ امام ابن حبان (الثقات: 411/7) کے علاوہ کسی نے اس کی توثیق نہیں کی۔

✽ حافظ ذہبی رحمہ اللہ اس کے بارے میں لکھتے ہیں:

لَا يُدْرَى مَنْ هُوَ، وَلَا أَبُوهُ.

”اس کا اور اس کے باپ کا کوئی اتہ پتہ نہیں۔“

(میزان الاعتدال في نقد الرجال: 672/3)

✽ حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ نے اسے ”مجہول“ قرار دیا ہے۔

(تقريب التهذيب: 6198)

② اس کا باپ عمران انصاری بھی ”مجہول“ ہے۔

اس کے بارے میں:

✽ حافظ ابن عبد البر رحمہ اللہ کہتے ہیں:

فَلَا أَدْرِي مَنْ هُوَ.

”میں نہیں جانتا کہ یہ کون ہے؟“

(التمهيد لما في الموطأ من المعاني والأسانيد: 64/13)

✽ حافظ ذہبی رحمہ اللہ کہتے ہیں:

لَا يُدْرَى مَنْ هُوَ، تَفَرَّدَ عَنْهُ ابْنُهُ مُحَمَّدٌ، وَحَدِيثُهُ فِي الْمَوْطَأِ، وَهُوَ مُنْكَرٌ.

”کوئی پتہ نہیں کہ کون ہے؟ اس سے صرف اس کا بیٹا محمد بیان کرتا ہے، اس کی روایت مؤطا میں ہے، جو کہ منکر ہے۔“

(میزان الاعتدال في نقد الرجال: 245/3، ت: 6325)

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے ”مقبول“ (مجهول الحال) کا فیصلہ دیا ہے۔

(تقریب التہذیب: 5176)

اسے صرف سلمہ بن قاسم نامی ایک ”ضعیف“ شخص نے ”لاباس“ کہا ہے۔

دوسری سند :

مسند ابی یعلیٰ (5723) کی روایت کے الفاظ یوں ہیں:

لَقَدْ سُرَّ فِي ظِلِّ سَرَحَةٍ سَبْعُونَ نَبِيًّا، لَا تُسْرِفُ وَلَا تُجَرِّدُ وَلَا تُعْبَلُ .
”اس درخت کے سائے میں ستر انبیاء کرام کی ناف کاٹی گئی۔ اسے کیڑا نہیں لگتا، نہ اس کے پتے خشک ہوتے ہیں نہ گرتے ہیں۔“

یہ سند بھی ”ضعیف“ ہے، کیونکہ:

① ابو معاویہ ضریر ”مدلس“ ہیں اور سماع کی تصریح نہیں کی۔

② سلیمان بن مہران اعمش بھی ”مدلس“ ہیں۔

③ عبد اللہ بن ذکوان نے سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا زمانہ نہیں پایا۔

(المراسیل لابن أبي حاتم، ص: 111)

لہذا یہ سند ”مدلس“ اور ”منقطع“ ہے۔

تیسری سند :

اس کی ایک تیسری سند اخبار مکہ للفاکھی (2333) میں آتی ہے، لیکن اس میں:

① سفیان بن عیینہ ”مدلس“ ہیں اور سماع کی تصریح نہیں کی۔

② محمد بن عجلان بھی ”مدلس“ ہیں، انہوں نے بھی سماع کی تصریح نہیں کی۔

محمد بن عجلان کی متابعت معمر بن راشد نے مصنف عبدالرزاق (20975) میں کر رکھی ہے، لیکن اس میں امام عبدالرزاق بن ہمام صنعانی کی ”تدلیس“ ہے، لہذا یہ متابعت چنداں مفید نہیں۔

③ ”رجل مبہم“ بھی موجود ہے۔

فائدہ:

اس ”ضعیف و منکر“ روایت میں تبرک کے حوالے سے کچھ بھی نہیں، لیکن حیرانی کی بات ہے کہ پھر بھی بعض لوگ اپنے مزعومہ تبرکات کے ثبوت پر پیش کرتے ہیں۔

تنبیہ ①:

سیدنا عثمان بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

كُنْتُ أَصْلِي لِقَوْمِي بِنِي سَالِمٍ، وَكَانَ يَحُولُ بَيْنِي وَبَيْنَهُمْ وَادٍ، إِذَا جَاءَتِ الْأَمْطَارُ؛ فَيَشُقُّ عَلَيَّ اجْتِيَازُهُ قَبْلَ مَسْجِدِهِمْ، فَجِئْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقُلْتُ لَهُ: إِنِّي أَنْكَرْتُ بَصْرِي، وَإِنَّ الْوَادِيَ الَّذِي بَيْنِي وَبَيْنَ قَوْمِي يَسِيلُ إِذَا جَاءَتِ الْأَمْطَارُ، فَيَشُقُّ عَلَيَّ اجْتِيَازُهُ، فَوَدِدْتُ أَنَّكَ تَأْتِي فَتُصَلِّيَ مِنِّي مَكَانًا، أَخِيذَهُ مُصَلًّى، فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «سَافِعَلُ»، فَعَدَا عَلَيَّ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَأَبُو بَكْرٍ رَضِيَ اللَّهُ

عَنْهُ بَعْدَ مَا اشْتَدَّ النَّهَارُ، فَاسْتَأْذَنَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَأَذِنَتْ لَهُ، فَلَمْ يَجْلِسْ حَتَّى قَالَ: «أَيْنَ تُحِبُّ أَنْ أُصَلِّيَ مِنْ بَيْتِكَ؟» فَاشْرَتْ لَهُ إِلَى الْمَكَانِ الَّذِي أُحِبُّ أَنْ أُصَلِّيَ فِيهِ، فَقَامَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَكَبَّرَ، وَصَفَفْنَا وَرَاءَهُ، فَصَلَّى رَكَعَتَيْنِ، ثُمَّ سَلَّمَ، وَسَلَّمْنَا حِينَ سَلَّمَ.

”میں بنو سالم قبیلہ میں اپنی قوم کو نماز پڑھایا کرتا تھا۔ میرے گھر اور قوم والوں کے درمیان ایک نالہ حائل تھا۔ جب بارش ہوتی تو اسے پار کر کے مسجد تک پہنچنا میرے لیے مشکل ہو جاتا تھا، چنانچہ میں نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا: میری آنکھیں خراب ہو گئی ہیں، جبکہ میرے اور میری قوم کے درمیان ایک برساتی نالہ حائل ہے، جو بارش کے دنوں میں بہنے لگ جاتا ہے اور میرے لیے اس کا پار کرنا مشکل ہو جاتا ہے۔ میری خواہش ہے کہ آپ میرے گھر تشریف لا کر کسی جگہ نماز پڑھ دیں تاکہ میں اسے جائے نماز بنا لوں۔ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: میں تمہاری یہ خواہش جلد ہی پوری کر دوں گا۔ پھر آپ ﷺ سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ہمراہ دوسرے ہی دن ظہر کے قریب تشریف لے آئے۔ آپ ﷺ نے اجازت چاہی تو میں نے اجازت دے دی۔ بیٹھنے سے پہلے آپ ﷺ نے پوچھا: تم اپنے گھر میں کس جگہ میرا نماز پڑھنا پسند کرو گے؟ میں نے اُس جگہ کی طرف اشارہ کیا جس کے بارے میں میری خواہش تھی کہ آپ ﷺ وہاں نماز پڑھیں۔ رسول اللہ ﷺ نے وہاں کھڑے ہو کر تکبیر تحریمہ کہی تو ہم نے آپ ﷺ کے پیچھے صف باندھ لی، آپ ﷺ نے ہمیں دو رکعت نماز

پڑھا کر سلام پھیرا۔ ہم نے بھی آپ ﷺ کے ساتھ سلام پھیر دیا۔“

(صحیح البخاری: 1186)

اس حدیث سے تو معلوم ہوتا ہے کہ صحابی رسول یہ چاہتے تھے کہ آپ ﷺ ان کے گھر میں نماز کے لیے ایک جگہ متعین فرمادیں تاکہ وہ آئندہ اسی جگہ میں نماز پڑھیں۔ اس سے تبرک کا مسئلہ نکالنا فہم سلف کے خلاف ہے۔

تنبیہ ۲ :

سیدنا شداد بن اوس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

قُلْتُ : يَا رَسُولَ اللَّهِ، كَيْفَ أُسْرِي بِكَ لَيْلَةَ أُسْرِي بِكَ؟ قَالَ : «صَلَّيْتُ لِأَصْحَابِي صَلَاةَ الْعَتَمَةِ بِمَكَّةَ مُعْتَمًا، فَأَتَانِي جِبْرِيلُ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، بِدَابَّةٍ بَيْضَاءَ فَوْقَ الْحِمَارِ، وَدُونَ الْبُغْلِ، فَقَالَ : ارْكَبْ، فَاسْتَصْعَبَ عَلَيَّ، فَدَارَهَا بِأُذُنِهَا، ثُمَّ حَمَلَنِي عَلَيْهَا، فَانْطَلَقَتْ تَهْوِي بِنَا، يَقَعُ حَافِرُهَا حَيْثُ أَدْرَكَ طَرْفُهَا، حَتَّى بَلَّغَنَا أَرْضًا ذَاتَ نَخْلٍ، فَقَالَ : انْزِلْ، فَنَزَلْتُ، ثُمَّ قَالَ : صَلِّ، فَصَلَّيْتُ، ثُمَّ رَكِبْنَا، فَقَالَ : أَتَدْرِي أَيْنَ صَلَّيْتُ؟ قُلْتُ : اللَّهُ أَعْلَمُ، قَالَ : صَلَّيْتُ بِثَرْبٍ، صَلَّيْتُ بِطَيْبَةِ، ثُمَّ انْطَلَقَتْ تَهْوِي بِنَا، يَقَعُ حَافِرُهَا حَيْثُ أَدْرَكَ طَرْفُهَا، حَتَّى بَلَّغَنَا أَرْضًا بَيْضَاءَ، فَقَالَ : انْزِلْ، فَنَزَلْتُ، ثُمَّ قَالَ : صَلِّ، فَصَلَّيْتُ، ثُمَّ رَكِبْنَا، فَقَالَ : تَدْرِي أَيْنَ صَلَّيْتُ؟ قُلْتُ : اللَّهُ أَعْلَمُ، قَالَ :

صَلَّيْتَ بِمَدِينٍ، صَلَّيْتَ عِنْدَ شَجَرَةِ مُوسَى، ثُمَّ انْطَلَقْتَ تَهْوِي
بِنَا، يَقَعُ حَافِرُهَا حَيْثُ أَذْرَكَ طَرْفُهَا، ثُمَّ بَلَّغْنَا أَرْضًا بَدَتْ لَنَا
قُصُورُهَا، فَقَالَ: انْزِلْ، فَنَزَلْتُ، ثُمَّ قَالَ: صَلِّ، فَصَلَّيْتُ، فَقَالَ:
أَتَدْرِي أَيْنَ صَلَّيْتَ؟ قُلْتُ: اللَّهُ وَرَسُولُهُ أَعْلَمُ، قَالَ: صَلَّيْتَ
بَبَيْتِ لَحْمٍ حَيْثُ وُلِدَ عِيسَى عَلَيْهِ السَّلَامُ الْمَسِيحُ ابْنُ مَرْيَمَ.
”میں نے اپنے صحابہ کرام کو عشا کی نماز آدھی رات کے وقت پڑھائی۔ میرے
پاس جبریل عَلَيْهِ السَّلَام ایک سفید جانور کے ہمراہ تشریف لائے، جو گدھے سے بڑا اور
نچر سے چھوٹا تھا، اور عرض کیا: سوار ہو جائیے۔ مجھے چڑھنے میں دشواری ہوئی، تو
جبریل عَلَيْهِ السَّلَام نے اسے کان سے پکڑ کر گھمایا، پھر مجھے اس پر سوار کیا۔ وہ جانور ہمیں
لے کر روانہ ہوا۔ اس کے پاؤں وہاں پڑتے تھے، جہاں تک اس کی نظر جاتی تھی۔
ہم چلتے چلتے کھجوروں والی سرزمین میں پہنچے، تو جبریل عَلَيْهِ السَّلَام نے کہا: نیچے تشریف
لائیے۔ میں اتر گیا تو کہا: نماز ادا فرمائیے۔ میں نے نماز ادا کی، تو ہم پھر سے
سوار ہو گئے۔ جبریل عَلَيْهِ السَّلَام نے کہا: کیا آپ کو معلوم ہے کہ آپ نے کہاں نماز پڑھی
ہے؟ میں نے کہا: اللہ ہی بہتر جانتا ہے۔ انہوں نے بتایا کہ آپ نے یثرب، طیبہ
میں نماز پڑھی ہے۔ پھر وہ سواری ہمیں لے کر روانہ ہوئی۔ اس کے پاؤں وہاں
پڑتے تھے جہاں تک اس کی نگاہ جاتی تھی۔ یہاں تک کہ ہم ایک سفید زمین پر پہنچ
گئے۔ جبریل عَلَيْهِ السَّلَام نے کہا: نیچے تشریف لائیے۔ میں اتر گیا۔ پھر انہوں نے کہا: نماز
ادا فرمائیے۔ میں نے نماز ادا کی، تو ہم پھر سے سوار ہو گئے۔ جبریل عَلَيْهِ السَّلَام نے مجھے
کہا: کیا آپ کو معلوم ہے کہ آپ نے کہاں نماز پڑھی ہے؟ میں نے کہا: اللہ ہی

بہتر جانتا ہے۔ جبریل علیہ السلام نے بتایا کہ آپ نے مدین میں شجرہ موسیٰ کے پاس نماز ادا کی ہے۔ پھر وہ جانور ہمیں لیے روانہ ہو گیا۔ اس کے پاؤں وہاں پڑتے تھے، جہاں تک اس کی نظر پڑتی تھی۔ یہاں تک کہ ہم ایسی جگہ پر پہنچے جس کے محلات ہمیں نظر آرہے تھے۔ جبریل علیہ السلام نے کہا: آپ نیچے تشریف لائیے۔ میں اتر گیا، تو انہوں نے کہا: نماز ادا فرمائیے۔ میں نے نماز ادا کی۔ انہوں نے پوچھا: کیا آپ کو معلوم ہے کہ آپ نے کہاں نماز ادا کی ہے؟ میں نے کہا: اللہ اور اس کا رسول (پیغام رساں) ہی بہتر جانتا ہے۔ اس پر انہوں نے بتایا کہ آپ نے بیت لحم میں نماز ادا کی ہے، جہاں عیسیٰ، مسیح ابن مریم علیہ السلام پیدا ہوئے تھے۔“

(المعجم الكبير للطبراني: 282/7، ح: 7142، مسند البزار: 3484، دلائل النبوة

للبيهقي: 355/2، وسنده صحيح)

امام بیہقی رحمہ اللہ نے اس کی سند کو ”صحیح“ قرار دیا ہے۔

اسی طرح سنن نسائی (450) میں سیدنا انس رضی اللہ عنہ کی صحیح حدیث بھی موجود ہے۔

اس روایت سے بعض لوگوں نے صالحین کی قیام گاہوں، عبادت گاہوں، ان کی جائے ولادت اور ان کی قبور سے تبرک لینے اور وہاں نماز کا اہتمام کرنے کا جواز ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔

لیکن ذرا سا غور کرنے پر معلوم ہو جاتا ہے کہ ان لوگوں کا استدلال کئی طرح سے مردود و باطل ہے؛

① نبی اکرم ﷺ نے جب نماز ادا فرمائی، تو آپ کو معلوم ہی نہیں تھا کہ آپ کس جگہ نماز ادا کر رہے ہیں۔ یہ کیسا تبرک ہوا؟ تبرک تو تب ثابت ہوتا، جب آپ ﷺ کو معلوم ہوتا کہ یہ فلاں متبرک مقام ہے اور آپ وہاں تبرک کی نیت سے نماز ادا کرتے۔ اس روایت

میں ایسا کچھ بھی نہیں، بلکہ اس میں تو یہ ہے کہ آپ ﷺ کو بعد میں جبریل علیہ السلام نے پوچھا کہ آپ نے کون سی جگہ پر نماز پڑھی ہے، تو آپ ﷺ نے لاعلمی کا اظہار فرمایا۔ بعد میں جبریل کے بتانے پر معلوم ہوا کہ فلاں جگہ ہے۔ پھر زندگی میں کبھی آپ ﷺ نے ان جگہوں پر نماز ادا کرنے کی خواہش یا اہتمام نہیں فرمایا۔

② سب سے پہلی جگہ جہاں آپ ﷺ نماز ادا فرمائی، وہ یثرب تھی۔ معراج کا واقعہ کی زندگی میں پیش آیا اور اس وقت یثرب بیماریوں کی آماجگاہ تھی۔ وہ تو ہجرت کے بعد آپ ﷺ کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اسے بابرکت بنایا۔ لہذا ہجرت سے پہلے وہ جگہ متبرک تو کیا بابرکت بھی نہیں تھی۔ اس وقت وہاں نماز پڑھنے میں کیسا متبرک تھا؟

③ اس حدیث سے یہ استدلال کرنا نبی اکرم ﷺ کی توہین ہے، کیونکہ بیماریوں کی آماجگاہ، جسے ہجرت کے بعد آپ ﷺ کی وجہ سے برکت ملی، اس کے بارے میں یہ کہنا کہ ہجرت سے پہلے آپ ﷺ وہاں سے برکت حاصل کرتے تھے، کیا یہ آپ ﷺ کی عزت ہے؟

④ نبی اکرم ﷺ خود اس کائنات کی سب سے بابرکت اور متبرک شخصیت تھے۔ آپ ﷺ کے بارے میں یہ کہنا کہ ان مقامات سے آپ ﷺ نے برکت حاصل کرنے کی کوشش کی، نہایت نامعقول بات ہے۔

تنبیہ ③ :

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے منسوب ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«لَمَّا أُسْرِيَ بِي إِلَى بَيْتِ الْمَقْدِسِ؛ مَرَّ بِي جِبْرِيلُ بِقَبْرِ أَبِي إِبْرَاهِيمَ عَلَيْهِ السَّلَامُ، فَقَالَ يَا مُحَمَّدُ، انْزِلْ، فَصَلِّ هُنَا

رَكَعَتَيْنِ، هَذَا قَبْرُ أَبِيكَ إِبْرَاهِيمَ، ثُمَّ مَرَّ بِبَيْتِ لَحْمٍ، فَقَالَ: انْزِلْ، فَصَلِّ هَا هُنَا رَكَعَتَيْنِ، فَإِنَّهُ هُنَا وَلَدَ أَخُوكَ عِيسَى عَلَيْهِ السَّلَامُ، ثُمَّ أَتَى بِي إِلَى الصَّخْرَةِ، فَقَالَ: يَا مُحَمَّدُ، مِنْ هُنَا عَرَجَ رَبُّكَ إِلَى السَّمَاءِ».

”جب مجھے بیت المقدس کی طرف معراج کرائی گئی، تو جبریل میرے ہمراہ میرے دادا ابراہیم علیہ السلام کی قبر کے پاس سے گزرے۔ کہنے لگے: محمد (ﷺ)! یہاں دو رکعتیں ادا فرمائیے، یہ آپ کے دادا ابراہیم علیہ السلام کی قبر ہے۔ پھر وہ میرے ہمراہ بیت لحم سے گزرے، تو کہا: یہاں اتر کر دو رکعتیں ادا کیجیے، کیونکہ یہاں آپ کے بھائی عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت ہوئی تھی۔ پھر وہ مجھے لے کر بیت المقدس پہنچے، تو کہا: اے محمد (ﷺ)! یہاں سے آپ کا رب آسمانوں کی طرف چڑھتا تھا۔“

(المجروحین لابن حبان: 197/1، فضائل بیت المقدس لضیاء المقدسی: 30)

اس روایت کو ذکر کرنے کے بعد خود امام حبان رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

وَهَذَا شَيْءٌ لَا يَشْكُ عَوَامُّ أَصْحَابِ الْحَدِيثِ أَنَّهُ مَوْضُوعٌ، فَكَيْفَ الْبَزْلُ فِي هَذَا الشَّانِ.

”اس روایت کے من گھڑت ہونے میں طلبہ حدیث کو بھی کوئی شک و شبہ نہیں، چہ جائیکہ فن حدیث کے ماہرین اس میں کوئی شک کریں۔“

اس حدیث کو حافظ ابن الجوزی (الموضوعات: 113/1)، حافظ ابن تیمیہ (افتضاء الصراط المستقیم: 352/2) اور حافظ ابن حجر (لسان المیزان: 51/2) وغیرہ نے موضوع (من گھڑت) قرار دیا ہے۔

اس کے راوی بکر بن زید باہلی کے بارے میں امام ابن حبان رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں :
 شَيْخٌ دَجَالٌ، يَضَعُ الْحَدِيثَ عَلَى الثَّقَاتِ، لَا يَحِلُّ ذِكْرُهُ فِي
 الْكُتُبِ إِلَّا عَلَى سَبِيلِ الْقَدَحِ فِيهِ .

”یہ دجال شیخ تھا، ثقہ راویوں سے منسوب کر کے جھوٹی حدیثیں گھڑتا تھا۔ کتابوں
 میں اس کا تذکرہ صرف اس صورت میں جائز ہے کہ اس پر جرح ذکر کی جائے۔“

(المجروحین: 1/196، 197)

حافظ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں :

صَدَقَ ابْنُ حِبَّانَ .

”ابن حبان رحمۃ اللہ علیہ نے سچ فرمایا ہے۔“ (میزان الاعتدال: 1/345)

مقامات صالحین اور حدیث نبوی :

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں :

فَلَقِيتُ بَصْرَةَ بْنَ أَبِي بَصْرَةَ الْغِفَارِيَّ، فَقَالَ : مِنْ أَيْنَ أَقْبَلْتَ؟
 فَقُلْتُ : مِنَ الطُّورِ، فَقَالَ : لَوْ أَدْرَكْتُكَ قَبْلَ أَنْ تَخْرُجَ إِلَيْهِ، مَا
 خَرَجْتَ، سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ : «لَا
 تَعْمَلُ الْمَطْيُ إِلَّا إِلَى ثَلَاثَةِ مَسَاجِدَ؛ إِلَى الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ،
 وَإِلَى مَسْجِدِي هَذَا، وَإِلَى مَسْجِدِ إِبِلْيَاءَ، أَوْ بَيْتِ الْمُقَدَّسِ» .

”میں بصرہ بن ابو بصرہ رضی اللہ عنہ سے ملا، تو انہوں نے مجھے پوچھا: آپ کہاں سے آ
 رہے ہیں؟ میں نے بتایا کہ طور سے۔ اس پر انہوں نے فرمایا: اگر آپ کے جانے
 سے پہلے ہماری ملاقات ہو جاتی، تو آپ نہ جاتے۔ میں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو

یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ تین مسجدوں کے علاوہ کسی بھی جگہ کی طرف (تبرک کی نیت سے) رختِ سفر نہ باندھا جائے؛ مسجدِ حرام، میری یہ مسجد (مسجدِ نبوی) اور بیت المقدس۔ (الموطأ للإمام مالك : 108/1، 109، سنن النسائي : 1430، مسند الإمام أحمد : 248/2، 7/6، وسنده صحيح)

اس حدیث کو امام ابن حبان رحمہ اللہ (2772) نے ”صحیح“ کہا ہے۔
 سیدنا بصرہ بن ابوبصرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں :

لَقِيتُ أَبَا هُرَيْرَةَ، وَهُوَ يَسِيرُ إِلَى مَسْجِدِ الطَّوْرِ لِيُصَلِّيَ فِيهِ، قَالَ : فَقُلْتُ لَهُ : لَوْ أَدْرَكْتُكَ قَبْلَ أَنْ تَرْتَحِلَ؛ مَا ارْتَحَلْتُ، قَالَ : فَقَالَ : وَلِمَ؟ قَالَ : قَالَ : فَقُلْتُ : إِنِّي سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ : «لَا تُشَدُّ الرَّحَالُ إِلَّا إِلَى ثَلَاثَةِ مَسَاجِدَ؛ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ، وَالْمَسْجِدِ الْأَقْصَى، وَمَسْجِدِي».

”میں سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے اس وقت ملا، جب وہ مسجدِ طور میں نماز پڑھنے کی غرض سے جا رہے تھے۔ میں نے ان سے کہا: اگر آپ کے نکلنے سے پہلے ہماری ملاقات ہو جاتی، تو آپ مسجدِ طور کی طرف نہ جاتے۔ انہوں نے پوچھا: کیوں؟ میں نے بتایا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے: تین مسجدوں کے علاوہ کسی بھی جگہ کی طرف (تبرک کی نیت سے) رختِ سفر نہیں باندھا جاسکتا؛ مسجدِ حرام، مسجدِ اقصیٰ اور میری مسجد۔“

(مسند الإمام أحمد : 397/6، وسنده حسن)

شہر بن حوشب تابعی رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں :

سَمِعْتُ أَبَا سَعِيدٍ الْخُدْرِيَّ، وَذُكِرَتْ عِنْدَهُ صَلَاةٌ فِي الطُّورِ، فَقَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «لَا يَنْبَغِي لِلْمَطْيِيِّ أَنْ تُشَدَّ رِحَالُهُ إِلَى مَسْجِدٍ تُبْتَغَى فِيهِ الصَّلَاةُ؛ غَيْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ، وَالْمَسْجِدِ الْأَقْصَى، وَمَسْجِدِي هَذَا»

”میں نے سیدنا ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے سنا۔ ان کے پاس کوہ طور پر نماز کے بارے میں ذکر کیا گیا، تو انہوں نے بیان کیا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کسی بھی مسجد کی طرف رختِ سفر باندھنا جائز نہیں، سوائے تین مساجد کے؛ مسجد حرام، مسجد اقصیٰ اور میری یہ مسجد۔“ (مسند الإمام أحمد: 64/3، وسندہ حسن)

ان احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ سوائے تین مساجد کے کسی بھی مسجد میں خاص ثواب کی نیت سے نماز پڑھنے کے لیے یا کسی بھی جگہ سے تبرک حاصل کرنے کے لیے سفر کرنا جائز نہیں۔ سیدنا بصرہ بن ابو بصرہ، سیدنا ابوسعید خدری اور سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہم شہرِ حال والی حدیث کو عموم پر محمول کرتے تھے، جیسا کہ سیدنا ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے کوہ طور پر نماز پڑھنے کے بارے میں سوال کیا گیا، تو انہوں نے یہی حدیث پیش کر کے اس سے ممانعت کا فتویٰ دیا۔

شارح صحیح بخاری، حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ (773-852ھ) لکھتے ہیں:

وَالْمُرَادُ النَّهْيُ عَنِ السَّفَرِ إِلَى غَيْرِهَا، قَالَ الطَّبِيبِيُّ: هُوَ أَبْلَغُ مِنْ صَرِيحِ النَّهْيِ، كَأَنَّهُ قَالَ: لَا يَسْتَقِيمُ أَنْ يُقْصَدَ بِالزِّيَارَةِ إِلَّا هَذِهِ الْبَقَاعُ، لِاخْتِصَاصِهَا بِمَا اخْتَصَّتْ بِهِ.

”اس سے مراد یہ ہے کہ ان مسجدوں کے علاوہ کسی بھی جگہ کی طرف (بطور تبرک) سفر کرنا منع ہے۔ علامہ طبیبی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں: اس حدیث کے الفاظ صریح ممانعت

سے بھی زیادہ سخت ہیں، گویا کہ آپ ﷺ فرما رہے ہیں کہ ان تین جگہوں کے علاوہ کسی بھی جگہ کی زیارت کا قصد کرنا جائز نہیں، کیونکہ یہ خصوصیت انہی جگہوں کو حاصل ہے۔“ (فتح الباری: 64/3، شرح الطیبی: 929/3)

❁ علامہ یمن، امیر صنعانی رحمہ اللہ: (م: 1182ھ) لکھتے ہیں:

وَقَدْ خَالَفَ النَّاسُ هَذَا النَّهْيَ، فَمَا يَزَالُونَ فِي شِدِّ لِلرَّحَالِ إِلَى الْقُبُورِ، وَالْمَشَاهِدِ، وَاجْتِمَاعِ لِدَلِكِ عَلَى مُحَرَّمَاتٍ لَا تَحِلُّ، فَإِنَّا لِلَّهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ.

”یقیناً لوگوں نے رسول اکرم ﷺ کی اس ممانعت کی خلاف ورزی کی ہے۔ وہ مسلسل قبروں، مزاروں کی طرف رخت سفر باندھتے ہیں اور وہاں محرمات پر مبنی عرس میلوں کا انعقاد کرتے ہیں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔“

(التنوير شرح الجامع الصغير: 112/11)

تنبیہ ❷:

❁ سیدنا جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں:

دَعَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي مَسْجِدِ الْأَحْزَابِ يَوْمَ الْاِثْنَيْنِ وَيَوْمَ الثَّلَاثَاءِ وَيَوْمَ الْأَرْبَعَاءِ، فَاسْتُجِيبَ لَهُ يَوْمَ الْأَرْبَعَاءِ بَيْنَ الصَّلَاتَيْنِ؛ الظُّهْرِ وَالْعَصْرِ، فَعَرَفْنَا الْبُشْرَ فِي وَجْهِهِ، قَالَ جَابِرٌ: فَلَمْ يَنْزِلْ بِي أَمْرٌ مِثْلُ مَا غَائِطُ؛ إِلَّا تَوَخَّيْتُ تِلْكَ السَّاعَةَ مِنْ ذَلِكَ الْيَوْمِ، فَدَعَوْتُ اللَّهَ، فَأَعْرِفُ الْإِجَابَةَ.

”ایک مرتبہ نبی کریم ﷺ نے مسجد احزاب میں تین روز سوموار، منگل اور بدھ کو

مسلل دعا مانگی۔ بدھ کے دن ظہر اور عصر کی نمازوں کے درمیان دُعا قبول ہو گئی۔ نبی کریم ﷺ کے رُخِ انور پر بشارت جھلک رہی تھی۔ اس کے بعد جب مجھے کوئی اہم مسئلہ درپیش ہوا، میں نے اس گھڑی کا انتخاب کر کے دُعا مانگی تو مجھے اس میں قبولیت کے آثار نظر آئے۔“

(الطبقات الکبریٰ لابن سعد : 56/2، وفي نسخة : 73/2، الأدب المفرد للبخاري : 704، مسند الإمام أحمد : 332/3، شعب الإيمان للبيهقي : 3874، وسنده حسن)

اس سے بھی بعض لوگوں نے صالحین کے اختیار کردہ اوقات کے متبرک ہونے کا مسئلہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے، لیکن اس سے ہرگز یہ ثابت نہیں ہوتا، کیونکہ سیدنا جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما کے پیش نظر یہی تھا کہ آپ ﷺ نے کئی دن دُعا کرنے کے بعد اس گھڑی کو پالیا تھا، جس میں اللہ تعالیٰ دُعا قبول فرماتا ہے۔ لہذا انہوں نے اس گھڑی کو یاد رکھا اور اسی میں دُعا کرنے کا اہتمام کیا۔ اگر تبرک والی کوئی بات سیدنا جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما کے ذہن میں ہوتی، تو وہ دُعا کے لیے اس وقت کے ساتھ ساتھ مسجد احزاب کی اس جگہ کا بھی اہتمام فرماتے، جہاں انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو دُعا کرتے دیکھا تھا۔

تنبیہ : مشہور تابعی، ثابت بن ابی اللہ بیان کرتے ہیں :

إِنَّ أَنَسًا دَفَعَ إِلَى أَبِي الْعَالِيَةِ تَفَاحَةً؛ فَجَعَلَهَا فِي كَفِّهِ، وَجَعَلَ يَمْسَحُهَا، وَيَقْبِلُهَا، وَيَمْسَحُهَا بِوَجْهِهِ، وَقَالَ : تَفَاحَةٌ مَسَّتْ كَفًّا مَسَّ كَفِّ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ تَعَالَى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ .

”سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے ابو العالیہ رضی اللہ عنہما کو سب دیا، انہوں نے ہاتھ میں لے کر اُسے چھوا، بوسہ دیا، اپنے چہرے پر ملا اور کہا: اس سب کو ایسی ہتھیلی نے چھوا ہے، جسے نبی کریم ﷺ کی مبارک ہتھیلی کو چھونے کا شرف حاصل ہے۔“

(القبل والمعانقة والمصافحة لابن الأعرابي : 35، وسنده صحيح)

ابو العالیہ رضی اللہ عنہما کا یہ فعل بطورِ تکریم تھا، نہ کہ بطورِ تبرک۔